قطبِ دوراں

تحریر و تحقیق: ڈاکٹر ساجد امجد

دینِ حق کی سربلندی و سرفرازی کے لیے خداوند قدوس نے اپنے مقرب بندوں کو مامور کیا۔ ایسی عالم افروز شخصیات کہ جو اپنے علم، عمل اور کردار سے ظلمتوں میں نورِ وحدانیت کے چراغ روشن کرتے رہے۔ زہد و تقویٰ کے یہ پیکر انسانوں کو راہِ راست دکھاتے رہے۔ ہندوستان کے کفر زدہ ماحول میں ان بزرگ ہستیوں نے وہ کام کیے کہ کرۂ ارض کا یہ خطہ توحید پرستوں سے پر ہوتا چلا گیا۔ اسی سلسلے کی ایک مشہور و معروف شخصیت حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ بھی ہیں کہ جنہیں ان کی فضیلتوں کے باعث قطبِ دوراں کے نام سے پکارا گیا۔ ان کی آمد کے وقت اگرچہ ہندوستان پر مسلمان حکمرانی کررہے تھے تاہم انہیں بھی حق کی راہ دکھانی ضروری تھی۔ لہٰذا انہوں نے اس فریضے کی انجام دہی کے لیے حتی المقدور کوششیں کیں۔

ایک مردِ قلندر، صوفی باشرع حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کے سوانح

قاضی عبدالمقتدر، خلیفہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کی مجلسِ درس آراستہ تھی۔ طلبائے علم اکتسابِ فیض کی آرزو میں تصویر بنے بیٹھے تھے۔ ساعتوں کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ ارشادات کی خوشبو ماحول کو معطر کررہی تھی۔ ہر طرف سکوت تھا۔ صرف ایک آواز تھی جو پھول برسا رہی تھی۔ ساعتوں نے محسوس کیا کہ پھولوں کی یہ بارش اچانک تھم گئی ہے۔ کئی آنکھیں ایک ساتھ اٹھیں۔ قاضی عبدالمقتدر کی توجہ حاضرین سے ہٹ کر دروازے کی طرف مبذول ہوگئی تھی۔

''ہمارے پاس ایک ایسا طالب علم آرہا ہے جو سرتاپا علم ہی علم ہے۔'' قاضی صاحب کی نگاہیں کسی کو تلاش کررہی تھیں۔

اس ارشاد کے ساتھ ہی حاضرین کی آنکھوں نے بھی دروازے کا طواف کیا لیکن وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ درویشوں کی باتیں درویش ہی جانیں۔ کیا خبر کون کہاں سے چلا ہے اور کب پہنچے۔ ساعتوں نے پھر کچھ سنا۔ حضرت قاضی عبدالمقتدر ایک مرتبہ پھر درس میں مشغول ہوگئے۔ نہ کسی نے پوچھا نہ آپ نے وضاحت فرمائی کہ کس طالب علم کا تذکرہ تھا۔ سورج آئے گا تو زمین خود روشن ہوجائے گی۔

آپ کے درس میں موجود لوگوں نے یہ پیش گوئی سنی ضرور لیکن اس کی وضاحت نہ ہوسکی۔ مجلسِ درس برخاست ہوئی تو اس خوشخبری کا چرچا ایک سے دوسرے تک پہنچ گیا۔

''دہلی میں اہلِ علم کی کمی ہے نہ قدردانانِ علم کی۔ پھر حضرت نے یہ کیا فرمایا۔ کس طالب علم کا ذکر ہے جو سرتاپا علم ہی علم ہے۔'' لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے رہے اور حیران ہوتے رہے۔

کچھ دن بعد قاضی عبدالمقتدر نے پھر وہی جملہ دہرایا۔ کچھ لوگوں نے ہمت کرکے آپ سے دریافت کیا۔ آپ کے پاس صرف اتنا جواب تھا۔ ''آنے والا آئے گا تو تم خود دیکھ لوگے۔''

یہ جواب لوگوں کے اطمینان کے لیے ناکافی تھا لیکن اس سے زیادہ کی طلب کی بھی نہیں جاسکتی تھی۔ اشارہ مل گیا تھا۔ وقت کا انتظار تھا۔ بات آئی گئی ہوگئی۔

☆☆☆

ملک خدا کا، سلطنت بادشاہ کی۔ بادشاہ سلطان علاؤالدین خلجیؒ پایۂ تخت دہلی اور پایۂ تخت بھی ایسا کہ اکابر علما کے قدموں سے شاہراہیں بھی رچتیں اور علما بھی ایسے کہ بخارا، سمرقند، بغداد، مصر، دمشق اور روم وغیرہ میں بھی ان کی مثال نہ ملتی تھی۔ بعض تو ایسے باکمال تھے کہ امام غزالی اور امام رازی

کے ہم پایہ تھے۔

علاؤ الدین خلجی کا ہندوستان سیاسی اور تمدنی اعتبار سے پرسکون تھا۔ اس کے برعکس دیگر اسلامی دنیا فتنۂ تاتار کی آندھی سے نبرد آزما تھی۔ جن باکمالوں کے قدم اکھڑ رہے تھے وہ قافلہ در قافلہ ہندوستان کا رخ کر رہے تھے۔ سمرقند، بخارا اور بغداد کے چاند سورج آسمانِ دہلی کی زینت بن رہے تھے۔

ایک شام جب دہلی کے بازاروں میں بھیڑ بڑھنے لگی تھی۔ خریدار، خریداری میں مصروف تھے۔ کھیل تماشے دکھانے والے سڑک کے کنارے بھیڑ لگائے کھڑے تھے۔ بازار کی اس بھیڑ میں اچانک اضافہ ہوگیا۔ کوئی قافلہ تھا جو ابھی ابھی شہر میں داخل ہوا تھا۔

''سنا ہے یہ قافلہ بغداد کی طرف سے آیا ہے۔''

''ہاں بھائی، کئی مہینے سے سن رہے تھے کہ ہلاکو نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہے۔ کئی سو علما شہید کر دیے۔ جو بچ رہے وہ اپنی جان بچا کر اِدھر اُدھر بھاگ نکلے۔ یہ قافلہ انہی شرفا پر مشتمل ہوگا۔''

''بھائی، بغداد کوئی یہاں رکھا ہے۔ کن مصیبتوں سے گزرنے کے بعد یہ لوگ یہاں تک پہنچے ہوں گے!''

''اس وقت دہلی کا دم غنیمت ہے۔ بادشاہ سلامت کی قدردانیوں نے خزانے کے منہ کھول دیے ہیں۔''

''سنا ہے، سرائے کے مالکوں کو شاہی حکم پہنچا ہے کہ باہر سے آنے والے مسلمان سرائے میں ٹھہریں تو ان سے کرایہ وصول نہ کیا جائے۔''

''قابلِ ذکر لوگوں کے وظیفے بھی مقرر کیے جا رہے ہیں۔''

''اللہ بادشاہ سلامت کی حکومت کو برقرار رکھے۔''

اسی وقت مغرب کی اذان بلند ہوئی۔ بازار خالی ہوگئے، مسجدیں بھر گئیں۔ مسجدوں میں بھی اس نئے آنے والے قافلے کا چرچا تھا جو بغداد سے آیا تھا اور سنا یہ گیا تھا کہ اس میں علما بھی موجود ہیں۔

دہلی میں وارد ہونے والا یہ پہلا قافلہ نہیں تھا جس کی گونج زیادہ دن تک سنائی دیتی لیکن اس قافلے کی اہمیت اس لیے بڑھ گئی کہ اس میں وہ طالب علم بھی تھا جس کے لیے قاضی عبدالمقتدر فرمایا کرتے تھے۔

''ہمارے پاس ایک ایسا طالب علم آ رہا ہے جو سرتاپا علم ہی علم ہے۔''

دہلی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی شہاب الدین کو اندازہ ہوگیا کہ وہ بغداد سے نکل کر بھی بغداد میں ہیں۔ وہی خانقاہیں، وہی مدارس۔ مسجدوں میں علما کا ہجوم، ہر طرف علم کی دھوم۔ انہیں استعدادِ علمی بڑھانے کا شوق ہوا۔ کس دروازے پر دستک دی جائے؟ یہ کوئی ایسا سوال نہیں تھا جس کا جواب نہ ہو۔ دوسرے ہی دن ایک دروازہ کھل گیا۔ قاضی عبدالمقتدر علم وفضل اور تصوف کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہیں۔ کسی نے انہیں بتایا۔

درس کی محفل آراستہ تھی۔ قاضی عبدالمقتدر مسند درس پر تھے لیکن معمول سے زیادہ بے چین تھے۔ دل اور آنکھیں الگ الگ سفر کر رہی تھیں۔ کسی کا انتظار تھا کہ طول کھینچتا جا رہا تھا۔ آنکھوں کے کنول جل اٹھے۔ دل کے دروازے پر دستک ہوئی۔ آپ نے کتابیں ایک طرف رکھ دیں۔ ایک اجنبی شخص درس گاہ میں داخل ہوا اور جہاں جگہ ملی وہاں بیٹھ گیا۔

''ہمیں تمہارا انتظار تھا اور تم قریب آ کر بھی دور بیٹھے ہو۔''

قاضی عبدالمقتدر نے اس شخص کو مخاطب کیا۔ صفوں میں جگہ بن گئی۔ وہ شخص اپنی جگہ سے اٹھا اور قاضی صاحب کی داہنی جانب سب سے اگلی صف میں فروکش ہوگیا۔

یہ پاکیزہ صورت اجنبی حضرت شہاب الدین تھے۔ جوانی کی منزلوں میں تھے۔ بغداد کے مدرسے ان کے ذوق علمی کی گواہی دے چکے تھے اور اب وہ قاضی عبدالمقتدر کی درس گاہ میں تھے۔ دیکھنے والے دیکھ رہے تھے کہ جس سرتاپا علم کی پیش گوئی کی گئی تھی، وہ آچکا ہے۔

شہاب الدین اکتسابِ علم میں مشغول ہوگئے۔ دہلی کا مجموعی علمی ماحول اور پھر استادوں کی بے پناہ شفقت، دن پھول بن کر گزرتے رہے۔ عزت و تکریم نے قدموں کو نگاہوں کی بارگاہ بنا دیا۔ جس طرف سے ہو کر گزر جاتے، آنکھیں سلام کرتیں کہ یہی وہ ہستی ہیں جن کے لیے ولی وقت قاضی عبدالمقتدر نے پسندیدگی کے کلمات کہے ہیں۔

علوم ظاہری کی تکمیل ہوچکی تو حضرت شہاب الدین، مولانا خواجگیؒ خلیفہ حضرت چراغ دہلویؒ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ یہ دربار ہی نرالا تھا۔ در و دیوار سے انوارِ الٰہی کی بارش ہو رہی تھی۔ فیوض باطنی کی تکمیل یہاں سے کی۔

☆☆☆

سلطان محمد شاہ بن فیروز شاہ تخت پر بیٹھا تو اس نے ملک سرور خواجہ سرا کو جس کا خطاب خواجہ جہان تھا، سلطان الشرقؒ خطاب دے کر جون پور اور اس کے اطراف کا علاقہ اسے جاگیر میں دے دیا۔

جب محمد شاہ کی حکومت میں اضمحلال پیدا ہوا تو خوا

جہان نے جون پور میں ایک نئی حکومت کی بنیاد سلاطین شرقیہ کے نام سے رکھی جس کا پہلا بادشاہ وہ خود ہوا۔

حادثاتِ دہلی سے اکتا کر حضرت شہاب الدین، جون پور تشریف لے گئے۔ دہلی کی بہاریں سفر کر کے جون پور پہنچ چکی تھیں۔ وہی خاندان جو کبھی بیرونِ ہندوستان سے دہلی میں داخل ہوئے تھے، جون پور کا رخ کر رہے تھے۔

جب سلطان ابراہیم شرقی کا دور آیا تو اس نے جون پور کو دہلی کا نعم البدل بنا دیا۔ علما کی قدر دانی عروج پر تھی۔ سلطان کی نگاہِ قدر شناس نے حضرت شہاب الدین کو منتخب کر لیا۔ آپ کو صدر العلما کا خطاب دیا۔ یہاں تک احترام کرتا تھا کہ سرِ دربار، نقرئی کرسی پر آپ کو اپنے پہلو میں بٹھاتا تھا۔

قدر دانی کے اس ماحول نے مزید لوگوں کی حوصلہ افزائی کی۔ حضرت نظام الدین نامی ایک بزرگ دہلی سے چلے اور جون پور پہنچ گئے۔ یہ بزرگ قاضی شہاب الدین کے عزیز بھی تھے۔ جون پور میں ملاقات ہوئی تو دہلی کی یادیں تازہ ہوگئیں۔

شیخ نظام الدین کے صاحبزادے شیخ نصیر الدین بھی اپنے والد کے ساتھ تھے۔ قاضی شہاب الدین نے اپنی صاحبزادی کا عقد شیخ نصیر الدین سے کر دیا۔

سلطان ابراہیم شرقی نے اس قرابت داری کا خیال کرتے ہوئے ''ردولی'' کا موضع پھگولی شیخ نصیر کو بطور جاگیر دے دیا لہٰذا وہ جون پور کی سکونت ترک کر کے ''ردولی'' منتقل ہوگئے۔

شیخ نصیر کے تین صاحبزادے ہوئے۔ صفی الدین، فخر الدین اور رضی الدین۔

بڑے بیٹے صفی الدین اپنے علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں امام ابو حنیفہ ثانی کہلاتے تھے۔ انہوں نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کو اپنا مشغلہ بنایا تھا لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ایک روز آرام کے لیے بستر پر دراز ہوئے تو خواب میں دیکھا، کوئی شخص کہہ رہا ہے۔ ''صفی الدین! تم نے علم و فضل میں کمال حاصل کیا ہے لیکن علم کا اصل مقصد تو معرفتِ الٰہی کا حصول ہے۔ درس و تدریس کو چھوڑو اور خدا کی طلب میں گھر سے نکلو۔''

بیدار ہوئے اور خواب کی معنویت پر غور کیا تو بدن پسینے سے شرابور ہوگیا۔ ہائے، اب تک کی زندگی غفلت میں گزار دی۔ ایک وحشت بے نام نے دل میں جگہ بنائی۔ آپ شہر سے نکل کھڑے ہوئے۔ جنگلوں جنگلوں خاک چھانتے ہوئے کئی دن گزر گئے۔ قلب کی شورش تھی کہ بڑھتی ہی چلی جاتی

❀ سوانحی خاکہ

نام:	حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ
والد:	حضرت شیخ محمد اسمٰعیلؒ
مرشد:	حضرت شیخ محمدؒ
اولاد:	دس بیٹے
پیدائش:	بمقام ردولی
سن پیدائش:	860ھ
سن وفات:	944ھ/ 1537ء
مزار مبارک:	گنگوہ ضلع سہارن پور (یوپی)

تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس سے مشورہ کیا جائے۔ آپ ایک درخت کے نیچے عبادت میں مصروف تھے کہ ایک بزرگ نمودار ہوئے۔

''صاحبزادے! اس بیابان میں کس کی تلاش کو نکلے ہو؟''

''خدا کی طلب میں گھر سے نکلا ہوں۔'' اس کے بعد آپ نے ان بزرگ کو اپنا خواب سنایا اور مشورے کے طالب ہوئے۔

''تم ردولی جاؤ۔''

''وہیں سے تو چلا آرہا ہوں۔''

''جو کہا جا رہا ہے وہ کرو۔ تم ردولی واپس چلے جاؤ۔ عنقریب وہاں ایک بزرگ تشریف لائیں گے جن سے تم اپنا مقصد حاصل کر سکو گے۔''

شیخ نصیر الدین پر ان بزرگ کے حکم کا ایسا رعب طاری ہوا کہ مزید کسی سوال کی ہمت ہی نہ ہوسکی۔ آپ نے جنگل سے شہر کی راہ لی اور گھر پہنچ کر انتظار کرنے لگے کہ کب وہ بزرگ آتے ہیں جن کی بشارت کی گئی ہے۔ کون ہیں اور ملاقات کیونکر ہوگی؟ انہی سوالوں سے الجھتے ہوئے کئی دن اور راتیں گزر گئیں۔

ایک دن شہر میں شہرت ہوئی کہ ایک مقبولِ خدا بزرگ شیخ اشرف جہانگیر سمنانی سیاحت کی دھوپ چھاؤں طے کرتے ہوئے ردولی تشریف لائے ہیں۔ خلقِ خدا آپ سے ملاقات کے لیے پہنچنے لگی۔ شیخ صفی الدین نے سنا تو امید ہوئی کہ شاید

یہ وہی بزرگ ہوں۔ آپ بھی ملاقات کے لیے پہنچ گئے۔

بزرگ کی روشن بینی نے آپ کو شناخت کرلیا۔ ''بابا صفی صفا آوردی۔ آؤ اور اپنا مقصد حاصل کرو۔''

شیخ صفی الدین نے اس قوتِ کشف پر سبحان اللہ کا نعرہ بلند کیا اور شیخ کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ شیخ اشرف جہانگیرؒ نے آپ کے جھکے ہوئے سر کو قدرے بلند کیا اور مخاطب ہوئے۔ ''خدائے تعالیٰ کسی کو اپنے قرب سے نوازنا چاہتا ہے تو حضرت خضرؑ کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس کی رہبری کریں۔''

اب حضرت صفی الدین کو یاد آیا کہ جن بزرگ نے صحرا میں ان کی رہنمائی کی تھی وہ خضر علیہ السلام تھے۔ خداوند تعالیٰ کا اس رہبری پر شکر ادا کیا اور شیخ اشرف جہانگیرؒ کی طرف بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ شیخ نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور چشتیہ نظامیہ کا شجرہ عنایت فرمایا۔

شیخ صفی الدین کی دنیا ہی بدل گئی۔ درس و تدریس سے فرصت نہیں تھی یا اب یہ عالم ہوگیا کہ خدمت شیخ میں روز و شب گزرنے لگے۔ خدمت شیخ سے مراد ریاضتیں اور مجاہدے تھے۔

چلہ کشی اور مجاہدوں میں باکمال ہوگئے تو سلسلۂ چشتیہ کی روایات کے مطابق ایک طویل عرصے تک سیر و سیاحت کرتے رہے۔ کئی برس کی سیاحت کے بعد آپ ردولی کے قریب حضرت شیخ داؤد کے مزار کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ یہاں آپ کی ملاقات سید درویش سے ہوئی جو قصبہ کوٹلاور کے قاضی تھے۔ سید درویش ان کے زہد و تقویٰ سے اتنے متاثر ہوئے کہ اپنی بیٹی کو ان کے نکاح میں دینے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار شیخ صفی الدین سے کیا۔

شیخ صفی الدین کا دل اگرچہ دنیا سے اٹھ چکا تھا۔ پاؤں میں ایک گردش تھی جو کسی جگہ ٹکنے نہیں دیتی تھی۔ ایسے میں اہل و عیال کے جھمیلے کہاں برداشت ہوتے لیکن اتباعِ سنت میں آپ شادی کے لیے تیار ہوگئے۔

789ھ کو شیخ صفی الدین کے یہاں ایک صاحبزادے تولد ہوئے جن کا نام آپ نے محمد اسمٰعیل رکھا۔ یہ صاحبزادے ابھی صرف چالیس روز کے تھے کہ حضرت جہانگیر سمنانیؒ تشریف لائے اور نہایت شفقت سے بچے کو گود میں لے لیا۔

''یہ بھی ہمارا مرید ہے۔ ہم نے اسے قبول کیا۔''

شیخ صفی الدین کو یقین کامل ہوگیا کہ ان کے گھر پیدا ہونے والا بچہ کوئی معمولی بچہ نہیں ہے۔ اس کی تعلیم و تربیت کا خصوصی انتظام کرنا ہوگا۔ وہ اس وقت کے انتظار میں دن گننے لگے جب یہ بچہ مکتب جانے کی عمر کو پہنچے۔

شیخ محمد اسمٰعیل جب اس عمر کو پہنچے اور اساتذہ کی نگرانی میسر آئی تو آپ کی صلاحیتیں ظاہر ہونے لگیں۔ تعلیم کے مراحل تیزی سے طے ہونے لگے۔ آپ نے صرف سولہ سال کی عمر میں تمام علوم رسمیہ کی تکمیل کرلی۔

علوم و سلوک کی منزلیں طے ہوچکیں تو ردولی کے ایک باعزت گھرانے میں آپ کی شادی کردی گئی۔

☆☆☆

860ھ کی مبارک ساعت تھی کہ لکھنؤ کے قریب ایک مقام ''ردولی'' میں شیخ محمد اسمٰعیل کے گھر ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام انہوں نے عبدالقدوس تجویز کیا۔ اس سے پہلے ان کے دو بڑے بھائی شیخ عبدالصمد اور شیخ عزیز اللہ پیدا ہوچکے تھے لیکن ''ولی را ولی می شناسم'' کے مصداق شیخ اسمٰعیل نے اس تیسرے بیٹے کی ولادت کو کسی اور ہی نگاہ سے دیکھا۔ خوشی سے آپ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے کہ اس نے صحنِ گلشن کو ایک ایسا پھول عطا کیا جس کی خوشبو سے عالم عرفان مہک اٹھے گا۔ شیخ عبدالقدوس کے بعد آپ کے یہاں ایک شیخ حبیب اللہ تولد ہوئے۔

یہ خاندان کئی پشتوں سے علم و فضل میں یکتائے روزگار چلا آرہا تھا۔ اس کے بزرگوں نے حصول علم کی خاطر بغداد سے دہلی تک کا سفر کیا تھا اور اب اودھ کے ایک قصبے ردولی میں آباد تھا۔ قدر دانی راستے کا فرش تھی۔ شہرت ساتھ چلتی تھی۔ عزت قدم چومتی تھی۔ دنیا سے سروکار نہیں تھا لیکن خلق خدا نچھاور تھی۔

شیخ اسمٰعیل کے چاروں صاحبزادے جب آگے پیچھے، پڑھنے کی عمر کو پہنچے اور خداداد ذہانت نے انہیں بہت جلد پڑھنے لکھنے کے قابل بنادیا تو شیخ اسمٰعیل نے چاروں صاحبزادوں کو حکم دیا۔

''انشا پردازی کی مشق کے لیے ضروری ہے کہ تم مختلف حضرات کے خطوط پڑھو اور پھر ان جیسا لکھنے کی کوشش کرو۔''

آپ کے سب صاحبزادوں نے اس حکم کی تکمیل کی لیکن شیخ عبدالقدوس کے بارے میں انہیں معلوم ہوا کہ وہ انشا پردازی کی مشق نہیں کررہے ہیں۔ عبدالقدوس کے ذوقِ علمی کو دیکھتے ہوئے یہ فعل تعجب خیز تھا۔

''بیٹا! کیا بات ہے۔ تم خط اور انشا پردازی کی مشق نہیں کرتے؟''

''ابا جان! خطوں کے لکھنے اور پڑھنے والے چور اور د

باز ہوتے ہیں۔''

''بیٹا! ہر ایک ایسا نہیں ہوتا۔'' شیخ اسمٰعیل نے کہا اور خاموش ہوگئے۔

وہ اس وقت تو خاموش ہوگئے لیکن صاحبزادے کی یہ حرکت غور وفکر کرنے کے لیے کافی تھی۔ اس عمر میں اتنی بڑی بات! مجھے آثار اچھے معلوم نہیں ہوتے۔ انہوں نے سوچا۔ یہ اپنے دوسرے بھائیوں سے بہت مختلف ہے۔ اگر اسے رہنمائی نہ ملی تو یہ بھٹک بھی سکتا ہے۔ خدا مجھے اتنی زندگی دے کہ میں اس کی تعلیم وتربیت تک زندہ رہوں۔

انہوں نے یہ دعا کی ضرور لیکن خدا کو کچھ اور منظور تھا۔ شیخ عبدالقدوس کی عمر سات آٹھ سال سے زیادہ نہیں تھی کہ والد کا وصال ہوگیا۔ اس سانحے نے آپ کو بیدار کردیا۔ والد کی خواہش تھی کہ ان کا بیٹا بڑا عالم وفاضل بنے۔ آپ نے اس خواب کو تعبیر سے ہمکنار کرنے کے لیے طلب شوق کو مہمیز دی۔ طلب علم میں غرق ہوگئے۔ یہ کیفیت ہوئی کہ زندگی کی ساری دلچسپیوں کا محور طلب علم بن گیا۔ آپ سارا دن پڑھتے اور رات کو عبادت میں مصروف ہوجاتے۔

نہایت کم عمری میں استعداد علمی کا یہ عالم تھا کہ پڑھنے کی منزل سے گزر کر لکھنے کی راہ تک چلے آئے۔ ابھی آپ علم صرف کی کتابیں پڑھ رہے تھے کہ اس موضوع پر ایک کتاب سوال و جواب کی صورت میں لکھ ڈالی اور کتاب بھی ایسی کہ جسے دیکھ کر کامل اساتذہ نے بیک آواز کہا کہ علم صرف کو حاصل کرنے کے لیے یہی ایک کتاب کافی ہے۔

آپ کی ان کاوشوں کو دیکھ کر بجا طور پر اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ طالب علم دنیائے علم میں انقلاب برپا کردے گا۔ اپنے خاندان کے بزرگوں کا اصلی علمی وارث ہوگا۔

عربی کی ابتدائی کتابوں تک پہنچے تھے کہ ایک روز بیٹھے بیٹھے محبت الٰہی کی آگ اس طرح روشن ہوئی کہ سب کچھ جل کر خاکستر ہوگیا۔ کتابیں پھاڑ ڈالیں اور اللہ کے سوا سب سے ناتا توڑ لیا۔ جذب ومستی کے عالم میں گھر سے بازار کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ معمولی سا خرقہ جسم پر، آنکھیں کسی کو تلاش کرتی ہوئی۔ جس نے دیکھا حیرت سے دیکھا۔ وہی طالب علم جو کل تک صاف ستھرے کپڑے پہنے مدرسے کی طرف جاتا دکھائی دیتا تھا، آج یوں بازاروں میں سرگرداں ہے۔ اس خاندان کا چراغ جس کے بزرگوں کا کہنا تھا۔ ''ایک مسئلہ فقہ کا جاننا ہزار رکعت نفل سے بہتر ہے۔'' فقہ کی تعلیم سے پہلے ہی تعلیم سے بیزار ہوگیا۔

جذب ومستی کے اسی عالم میں ایک روز وہ کسی بازار سے گزر رہے تھے کہ شیخ فتح اللہ سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ شیخ فتح اللہ کسی وقت آپ کے استاد رہ چکے تھے۔ وہ اپنے طالب علم کی موجودہ کیفیت سے ناواقف تھے۔ بڑے تپاک سے ملے اور خیر وعافیت دریافت کی۔

''میاں! آج کل کون سی کتابیں پڑھ رہے ہو؟''

''آج کل میں کتاب حیرانی وبندگی پڑھ رہا ہوں۔'' شیخ عبدالقدوس نے جواب دیا لیکن صاف ظاہر ہورہا تھا کہ وہ مدہوشی میں بول رہے ہیں۔

''تم شیخ اسمٰعیل کے لڑکے اور قاضی صفی جیسے عالم وفاضل کے پوتے ہو۔ تم سے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔''

''میں ایک ایسے خاندان کا فرد ہوں اسی لیے ایسا جواب دے رہا ہوں۔''

''اور تم نے یہ کیا مداریوں کا سا لباس پہن رکھا ہے۔''

''میں ان مداریوں میں نہیں ہوں۔'' شیخ عبدالقدوس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا اور آگے بڑھ گئے۔

یہ باتیں چھپنے والی نہیں تھیں۔ والدہ کو معلوم ہوا کہ آپ نے کتابوں کو پھاڑ ڈالا اور تعلیم کو خیرباد کہہ دیا ہے تو آپ کا چہرہ کاغذ کی طرح سفید ہوگیا۔ پہلے تو انہیں یقین ہی نہیں آیا اور جب یقین ہوگیا تو صدمے سے بے حال ہوکر اس طرح روئیں جیسے کوئی اپنے عزیز کے مرنے پر روتا ہے۔

''اگر عبدالقدوس پڑھ لیتا تو بہت بڑا فاضل بنتا۔ وہ اتنا ذہین ہے کہ دور دور تک اس کا جواب نہ ہوتا۔'' وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھیں۔

شیخ عبدالقدوس کی والدہ کے بھائی قاضی شہر تھے۔ آپ اسی وقت ان کے پاس پہنچیں۔ بہن کو جو اس حالت میں دیکھا تو آپ گھبرا کر اپنی نشست سے اٹھ گئے۔

''خیر تو ہے ہمشیرہ! تمہارا چہرہ اتنا اترا ہوا کیوں ہے؟''

صاحبزادگان

حضرت شیخ حمید الدین، حضرت شیخ احمد، حضرت شیخ رکن الدین، حضرت شیخ محمد علی، حضرت شیخ عبدالسلام، حضرت شیخ محمد محدث قطب الدین، ابو سعید، محی الدین اور نظام الدین۔

''خیریت ہی تو نہیں۔ اپنے بھانجے کی خبر لو۔ وہ ہاتھ سے جاتا رہا۔''

''کیا ہوا اسے۔ کس بھانجے کی بات کر رہی ہو؟''

''عبدالقدوس کی اور کس کی۔ اس نے لکھنا پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔ میرا تمہارے سوا کون ہے۔ تمہارے پاس آئی ہوں کہ اسے بلا کر ڈانٹو اور زور دو کہ وہ تعلیم حاصل کرے۔''

''اس وقت موصوف کہاں ہیں؟''

''دن بھر بازاروں میں سرگشت کرتا رہتا ہے یا فقیروں درویشوں سے ملاقاتوں میں مشغول رہتا ہے۔ کیا خبر اس وقت کہاں ہوگا۔ ہائے میرا بچہ۔''

''آپ بے فکر ہو جائیں۔ میں اسے تلاش کرنے کے لیے ابھی اپنے آدمیوں کو بھیجتا ہوں۔''

حضرت قاضی دانیال نے کچھ لوگوں کو بھیجا کہ عبدالقدوس جہاں کہیں ہو، اسے میرے پاس لے کر آؤ۔ لوگ روانہ ہوگئے اور قاضی دانیال بہن کو دلاسا تسلی دینے میں مشغول ہوگئے۔

کچھ دیر بعد عبدالقدوس سر جھکائے ماموں کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ حالت یہ تھی کہ ایک خرقہ پہنے ہوئے تھے اور چمڑے کا ایک تکیہ ہاتھ میں تھا۔ قاضی دانیال نے ان کی یہ حالت دیکھ کر ان سے وہی باتیں کہیں جو بہت سے لوگ کہہ رہے تھے۔ بہت دیر تک سمجھاتے رہے اور پھر تنگ آ کر ڈانٹ ڈپٹ پر اتر آئے۔

''اگر تم پڑھو گے نہیں تو میں تمہیں سزا دوں گا۔''

''اگر سزا بہتر ہے تو اس میں تاخیر نہ فرمایئے۔ میں حاضر ہوں۔''

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ کہیں سے گانے بجانے کی آوازیں آنے لگیں۔ شاید پڑوس کی عورتیں شادی بیاہ کے گیت گا رہی تھیں۔ شیخ عبدالقدوس ان آوازوں کو سن کر وجد میں آ گئے۔ وہ بیٹھے جھوم رہے تھے اور قاضی دانیال اس کیفیت کا بہ غور مشاہدہ کر رہے تھے۔

''میں آپ کے پاس اس لیے آئی تھی کہ آپ عبدالقدوس کو سمجھائیں گے لیکن آپ تو کچھ کہتے ہی نہیں۔''

''میں کچھ اور دیکھ رہا ہوں۔ تم تھوڑی دیر خاموش رہو۔'' قاضی دانیال نے اپنی بہن سے کہا۔

مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوئی تو شیخ عبدالقدوس وجد کی کیفیت سے باہر آ گئے۔ ماموں سے نماز کی اجازت طلب کی اور ان کے پاس سے اٹھ گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد قاضی دانیال اپنی بہن سے مخاطب ہوئے۔

''میں یہی دیکھنا چاہتا تھا۔ یہ حالات ہی دوسرے ہیں۔ لڑکا کسی اور ہی منزل سے گزر رہا ہے۔ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اس کی طرف سے فکرمند نہ ہو۔ یہ سب سے بہتر رہے گا۔ انشاءاللہ سب اچھا ہوگا۔''

شیخ عبدالقدوس کی والدہ کچھ مطمئن ہوئیں کچھ نہیں ہوئیں لیکن اب کچھ کہنا بے کار تھا۔ انہوں نے معاملے کو اللہ پر چھوڑا اور گھر چلی آئیں۔ شیخ عبدالقدوس کی بے خودی و سرمستی میں اضافہ ہوتا رہا۔ جنگل آباد ہوتے رہے۔ راتیں عبادت میں کٹنے لگیں۔ دن وحشت کی نذر ہوتے رہے۔ پھر یہ جذب و سرمستی ایسی بڑھی کہ ردولی چھوڑ کر نکل گئے۔ راستے انجانے، منزل نامعلوم۔ آپ کسی طرف چلے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک شخص ملا۔ اس نے پوچھا۔ ''کدھر جا رہے ہو؟'' آپ نے فرمایا۔ ''خدا کی طلب میں گھر سے باہر نکلا ہوں۔'' اس شخص نے کہا۔ ''اگر خدا کے طالب ہو تو درگاہ شیخ احمد عبدالحق میں جاؤ۔''

یہ درگاہ شیخ عبدالقدوس کے لیے اجنبی نہیں تھی۔ یہ ردولی شہر میں بہت بڑی درگاہ تھی۔ آپ نے یہ نام سنا تو واپسی کے لیے قدم اٹھا دیے۔ دیوانہ وار ردولی کی طرف رواں دواں تھے۔ دھول سے کپڑے اٹے ہوئے، قدم تھکے ہوئے۔ درگاہ احمد عبدالحق میں داخل ہوئے تو ایک شخص کو کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف دیکھا۔ یہ حضرت احمد عبدالحق کے صاحبزادے حضرت شیخ عارف کے خادم شیخ پیارے تھے۔

حضرت شیخ پیارے نے انہیں دیکھ کر کتاب چھپالی۔ آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا۔ ''ہم سے کیا چھپا رہے ہو۔ ہم بھی اسی علم توحید کے حاصل کرنے والے بن کر آئے ہیں۔''

حضرت عبدالقدوس تو درگاہ پر آئے ہی اس لیے تھے کہ اس دربار کی مجاوری سے فیض اٹھانا تھا۔ شیخ پیارے سے فوراً دوستی ہوگئی۔ اب زیادہ وقت شیخ پیارے کے پاس ہی گزرنے لگا۔ رہنے کے لیے ایک حجرہ مل گیا۔ بس یہی بہت تھا۔

ایک رات ہمیشہ کی طرح وہ اپنے حجرے میں تنہا تھے۔ نوافل وغیرہ ادا کرنے کے بعد ذرا کمر ٹکائی تھی کہ نیند آ گئی۔ یہاں تک کہ تہجد کا وقت ہوگیا۔ کسی نے انہیں بیدار کیا۔ کانوں میں حق حق کی آواز آنے لگی۔ آپ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ دیکھا حجرے میں کوئی بھی نہیں تھا۔ دروازہ بھی اندر سے بند تھا۔

دوسرے روز انہوں نے شیخ پیارے سے ذکر کیا۔ شیخ پیارے نے آپ کو مبارک باد دی۔ ''مبارک ہو۔ حضرت احمد عبدالحق کی روح مبارک آپ کی براہ راست تربیت کر رہی ہے۔ آپ کو عنقریب منزل مل جائے گی۔''

آپ اس مبارک باد کے بعد اور زیادہ تندہی سے درگاہ کی خدمت میں مشغول ہو گئے۔ روضہ مبارک میں خود جھاڑو دیتے۔ خانقاہ کے درویشوں کے لیے لکڑیاں لاتے اور طرح طرح کی ریاضتیں اور مجاہدے کرتے۔ یہاں تک کہ آپ کے مزار مبارک پر چلہ کش ہوئے۔

اسی مجاہدے اور ریاضت کا اثر تھا کہ ایک طویل عرصے تک گدڑی جس میں متعدد پیوند لگے ہوئے تھے، پہنتے رہے۔ پاجامے کے بجائے بھی ایک پرانا کپڑا تھا جس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ سر مبارک پر جو ٹوپی تھی وہ بھی مختلف پیوندوں کی تھی۔ اس پیوند کاری میں اہتمام یہ تھا کہ ہر روز پابندی کے ساتھ ایک پیوند اپنی گدڑی میں لگاتے اور اس پیوند کو دو تین بڑے بڑے ٹانکوں سے ٹانک لیتے تھے۔ پیوند کے لیے کپڑے گلی کوچوں سے اٹھاتے۔ انہیں دھوتے اور پاک کر کے سجا لیتے۔

حضرت شیخ احمد عبدالحق کی روح مبارک قدم قدم پر آپ کی تربیت کر رہی تھی لیکن آپ ظاہری طور پر کسی کے مرید نہیں ہوئے تھے۔ حضرت شیخ محمد، حضرت شیخ احمد عبدالحق کے پوتے تھے لیکن ہم عمر ہونے کی وجہ سے شیخ عبدالقدوس کے دل میں ان کے لیے وہ عقیدت نہیں تھی جو کسی بیعت ہونے والے کو اپنے ہونے والے شیخ سے ہوتی ہے لہٰذا آپ یہ سوچنے لگے تھے کہ کسی دوسری جگہ مرید ہو کر خرقہ خلافت حاصل کر لیں لیکن جب بھی یہ خیال آتا تھا، روح حضرت شیخ احمد عبدالحق آپ سے عالم باطن میں متوجہ ہو کر فرماتی تھی کہ تم ہمارے ہو، کسی دوسری جگہ مت جاؤ۔

مشہور ہے کہ ایک بار یہی معاملہ ہوا تو حضرت شیخ نے اپنے دل میں خیال کیا کہ بے شک! میں آپ کا ہوں لیکن بظاہر دوسری جگہ بیعت کرنے میں کیا حرج ہے۔ یہ کہنا تھا کہ حضرت شیخ احمد عبدالحق مادی جسم کے ساتھ آپ کے روبرو تشریف لے آئے۔

''اب بھی تم ہمارے ہو۔ تمہیں مردہ سمجھتے ہو۔ دوسری جگہ مت جاؤ۔''

''پھر کیا کروں؟''

''تم شیخ محمد (حضرت کے پوتے) کے دست حق پرست پر بیعت ہو جاؤ۔ فیض تم ہم سے حاصل کرتے رہو گے۔''

اب اس کی کوئی ضرورت تھی نہ گنجایش کہ آپ کسی اور در پر جاتے۔ آپ نے حضرت کے پوتے شیخ محمد کی مریدی اختیار کر لی۔ حسب وعدہ حضرت احمد عبدالحق بالواسطہ آپ کی رہنمائی فرماتے رہے۔ دنیائے تصوف میں یہ شاید ایک انوکھا واقعہ تھا۔

جمعرات کا دن تھا۔ بہت سے لوگ درگاہ شیخ احمد عبدالحق میں حاضر تھے کہ ناگاہ حضرت کا مزار مبارک شق ہوا اور حضرت مخدوم جسم ظاہری کے ساتھ مزار مبارک سے باہر تشریف لائے۔

تمام لوگوں پر یہ دیکھ کر لرزہ طاری ہو گیا۔ شیخ عبدالقدوس بے اختیار آگے بڑھے اور آپ کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ حضرت نے شانوں سے پکڑ کر آپ کو اٹھایا اور فرمایا۔ ''میں نے تجھے خدا تک پہنچا دیا۔''

تربیت کا جو انداز اب تک اہل علم سے مخفی تھا، سب پر ظاہر ہو گیا۔ درگاہ سے باہر جس نے بھی سنا، شیخ عبدالقدوس کی زیارت کے لیے حاضری دینے لگا۔ آپ یہ گرم بازاری دیکھ کر اپنے مکان میں گوشہ نشین ہو گئے۔ اسی روز رات میں خواب دیکھا۔ حضرت شیخ احمد تشریف لائے اور فرمایا کہ ''ہم نے تمہارا گھر جلا دیا لیکن اب بھی تم گھر نہیں چھوڑتے۔'' اور پھر خواب ہی میں ایک مقامی درزی جس کا نام بھیکن تھا، اس کا گھر دکھایا اور فرمایا۔ ''اس کے یہاں چلے جاؤ۔''

شیخ عبدالقدوسؒ کی آنکھ کھلی تو گھر میں واقعی آگ لگی ہوئی تھی۔ آپ نے گھر کو جلتا ہوا چھوڑا اور بھیکن خیاط کے گھر کی طرف چل دیے۔ آگ کے شعلے بلند ہوتے ہوئے دیکھے تو لوگ جمع ہو گئے۔ جب آگ بجھ گئی تو لوگوں کو حضرت کی فکر ہوئی۔ گھر میں تلاش کیا۔ آپ کہیں بھی نہیں تھے۔

لوگ آپ کو اِدھر اُدھر تلاش کرتے رہے اور بالآخر آپ اس حال میں لوگوں کو مل گئے کہ بھیکن خیاط کے حجرے میں عبادت الٰہی میں مشغول ہیں۔

بھیکن خیاط اہل اللہ میں سے تھا اور اس پر ہر وقت مستی

✿ ''نماز''

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ نماز اور ذکر الٰہی اور تلاوت کلام پاک سے بڑا شغف رکھتے تھے۔ آپ چار سو رکعتیں رات میں اور چار سو رکعتیں دن میں علاوہ سنتوں اور مقررہ نوافل اور روزمرہ کے وظائف کے پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کا جبہ و ازار کا وہ حصہ جو زانوئے مبارک کے سامنے ہوتا تھا، نماز میں گھس گھس کر بہت جلد پھٹ جاتا تھا۔

کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ شیخ عبدالقدوس کو یہاں بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ بھیکن خیاط کی صحبت اختیار کرو۔ گھر جلانے کا مقصد یہ بتانا تھا کہ دنیا کی محبت اب بھی دل سے نہیں نکلی۔

شیخ عبدالقدوس نے ان اشاروں کو سمجھ لیا اور بھیکن خیاط کے حجرے میں مقیم ہو کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے اور پھر پلٹ کر بھی گھر کی طرف نہیں دیکھا۔

نماز سے آپ کو اس قدر عشق تھا کہ سرما کے شدید موسم میں جبکہ برف باری ہوتی تھی اور سردی کی شدت سے آپ کے پاؤں اور پنڈلیاں پھٹ جاتی تھیں، آپ کڑاکے کی سردی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے۔ جب نفس میں گرمی کی خواہش پیدا ہوتی تو آپ دل ہی دل میں فرماتے کہ اس دوگانے کے بعد میں جسم کو آگ کی حرارت پہنچاؤں گا۔ اسی طرح تمام رات گزر جاتی اور آگ سے ہاتھ تاپنے کی نوبت کبھی نہ آتی۔

آپ کے مرشد حضرت شیخ محمد آپ کی حالت سے بھی واقف تھے اور آپ کی اس اہمیت سے بھی کہ حضرت شیخ احمد عبدالحق کی توجہ آپ کی جانب ہے لہٰذا وہ مرشد ہوتے ہوئے مرید کی طرح آپ کی تعظیم فرماتے تھے جبکہ شیخ عبدالقدوس کا عالم یہ تھا کہ مرشد کے سامنے اس طرح دوزانو بیٹھتے جیسے معمولی خادم اور یہ خدمت صرف بیٹھنے تک محدود نہیں تھی، مرشد کے ذاتی کاموں سے لے کر گھر کے تمام کام آپ ہی سرانجام دیتے تھے۔

اس خدمت گزاری کو دیکھتے ہوئے مرشد حضرت محمد کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ اپنی بہن کی شادی حضرت شیخ عبدالقدوس سے کر دیں۔ پھر انہوں نے اپنے دادا حضرت شیخ احمد عبدالحقؒ کی روح مبارکہ کی طرف توجہ دی کہ دیکھیے ادھر سے کیا ارشاد ہوتا ہے۔ خواب دیکھا کہ حضرت شیخ عبدالقدوس سماع میں ہیں اور آپ کا پاؤں ٹوٹ گیا ہے اور حضرت شیخ احمد عبدالحق اپنی بہو ام کلثوم سے کہہ رہے ہیں اس بچے کو گود میں لے لو اور پرورش کرو۔

اس خواب سے حضرت ام کلثوم نے یہ تعبیر لی کہ پاؤں ٹوٹنے سے مراد یہ ہے کہ لڑکا ولی کامل ہوگا اور اللہ کے سوا کسی غیر کے در تک نہیں جائے گا اور پرورش سے مطلب صاف تھا کہ یہ شادی کر دی جائے۔

آپ ہر جمعے کو مرشد کے گھر کے کپڑے دھونے کے لیے لے جاتے تھے۔ وہ بھی جمعے کا دن تھا۔ آپ مرشد کے گھر کے کپڑے لے کر تالاب پر گئے ہوئے تھے کہ گھر کی ملازمہ مریم تالاب پر آئی۔

''آپ کو مرشد طلب کر رہے ہیں۔'' مریم نے پیغام دیا۔

''ابھی تو میں وہاں سے آیا ہوں اور پھر انہیں معلوم ہے کہ میں کپڑے دھونے گیا ہوں۔''

''بی بی صاحبہ کے لڑکا پیدا ہوا ہے۔ آپ کو اذان دینے کے لیے بلایا جا رہا ہے۔''

''تو یہ کہہ ناں۔ تو چل میں آتا ہوں۔''

''نہیں، آپ دیر لگا دیں گے۔ میرے ساتھ ہی چلیے۔''

''اچھا بھائی، تو کہاں ماننے والی ہے، چل۔''

حضرت شیخ عبدالقدوس نے دھلے، بغیر دھلے کپڑوں کا گٹھر پھر سر پر رکھا اور مریم کے ساتھ گھر کی طرف چل دیے۔ مریم گھر میں باتیں سن چکی تھی یا ممکن ہے اس سے کہا گیا ہو کہ شادی کی بات چھیڑ کر دیکھے۔ اس نے راستے میں شیخ عبدالقدوس کی مرضی تلاش کرنے کی کوشش کی۔

''پتا ہے آپ کی شادی کی باتیں ہو رہی ہیں۔''

''میری شادی کی؟''

''ہاں۔''

''میں ان جھگڑوں میں پڑنے والا کہاں...... اور کون دے گا مجھے اپنی بیٹی۔ ایسے دیوانوں کی کہیں شادیاں ہوتی ہیں!''

''آپ کے مرشد کی والدہ مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ وہ اپنی چھوٹی بیٹی کی شادی آپ سے کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ اگر آپ کی طرف سے پیغام آئے تو انکار نہیں کریں گی۔''

''زیادہ باتیں نہ بنا۔''

اس کے بعد مریم چپ ہو گئی۔ شیخ عبدالقدوس نے اس کی باتوں کو ذرہ برابر بھی اہمیت نہیں دی۔ چپ چاپ گھر میں داخل ہوئے۔ بچے کے کان میں اذان دی اور اسی خاموشی سے باہر نکل آئے۔

ریاضتوں اور عبادتوں کی کثرت کی وجہ سے حضرت شیخ کا ارادہ نہ تھا کہ آپ تاہل کی زندگی اختیار فرما کر اہل و عیال کے جھگڑے میں پڑیں بلکہ غلبۂ عشق الٰہی کی وجہ سے آپ کا عزم یہ تھا کہ مجرد تنہا جنگلوں اور ویرانوں میں زندگی بسر کریں لیکن مریم کے بار بار تقاضوں سے تنگ آ کر سارا واقعہ اپنے مربی سے بیان کیا۔

''پھر تمہاری کیا مرضی ہے؟'' ان کے مربی نے جن کے یہاں آپ ان دنوں مقیم تھے کہا۔

''میں تو آپ کے ہاتھوں میں ڈھیلے کی طرح ہوں۔ خواہ پھینک دیجیے، خواہ رکھیے۔''

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ نے اپنے مرید دتو شیروانی کے ذریعے بذریعہ خواب اولیائے گجرات کو پیغام بھیجا تھا کہ ہم سب مل کر ہمایوں کو گجرات سے نکال دیں۔

آپ کی زندگی میں اس پیغام پر عمل درآمد نظر نہیں آیا لیکن آپ کی وفات کے بعد اس پیش گوئی پر حرف بہ حرف مہر تصدیق ثبت ہوئی۔

جس زمانے میں ہمایوں گجرات میں بہادر شاہ سے لڑ رہا تھا۔ اس نے پہلے بہار پر قبضہ کیا پھر بنگال پر حملہ آور ہوا۔ ہمایوں اس کے مقابلے کے لیے بنگال پہنچا تو شیر شاہ بہار کے مشہور قلعے روہتاس گڑھ میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ 1539ء میں جب وہ بنگال سے واپس ہوا تو شیر شاہ نے قلعے سے نکل کر بکسر کے متصل چونسہ کے مقام پر ہمایوں کا مقابلہ کیا۔ اس مقابلے میں ہمایوں کو ایسی شکست فاش ہوئی کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے بے تحاشا دریائے گنگا میں کود پڑا۔

1540ء میں شیر شاہ سے اس کی دوسری مڈبھیڑ ہوئی۔ یہاں اس نے ایسی شکست کھائی کہ اسے پندرہ سال تک جلاوطنی کی زندگی اختیار کرنی پڑی۔ اسی سال شیر شاہ سوری ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔ اس طرح حضرت شیخ کا وہ ارشاد پورا ہوا۔

''اگر یہ بات ہے تو سنو۔'' ان کے مربی نے کہا۔ ''اگر شادی تمہارے لیے مقدر ہو چکی ہے تو اس سے بہتر اور کون سا موقع ہو سکتا ہے۔ یہ لڑکی شیخ محمد کی بہن، شیخ عارف کی بیٹی اور شیخ احمد عبدالحق کی پوتی ہے۔ آپ تو خوش قسمت ہیں کہ ان لوگوں نے خود ارادہ ظاہر کیا ہے۔''

''پھر میں کیا کروں؟''

''میں آپ کی طرف سے پیغام لے کر جاتا ہوں۔ دیکھو کیا ہوتا ہے۔''

آپ نے پیغام بھجوایا۔ وہاں کیا دیر تھی فوراً منظور کر لیا گیا۔ یہاں تک کہ شادی کا دن آ گیا۔ حسب دستور دولہا کا جوڑا بھیجا گیا۔

لوگوں میں شہرت ہوئی کہ ایک دیوانے کا عقد ہو رہا ہے۔ لوگوں نے اتنی دلچسپی لی کہ عقد کے وقت لوگوں کی بھیڑ جمع ہو گئی۔

عقد کی رسم تو بخیر و خوبی انجام پا گئی لیکن جب مختلف رسموں کے لیے انہیں عورتوں میں لے جایا گیا تو عورتوں نے ڈھول کی تھاپ پر گیت گانے شروع کر دیے۔

کہو کہو دل دہنا شہ دیکھا لوری
اس گھونگھٹ رمی کار تماشا ہاتھ مروری

اس شعر کا سننا تھا کہ آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ عورتیں گاتی رہیں اور آپ عالم وجد میں رقص فرمانے لگے۔ عورتیں حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ ان عورتوں نے سن رکھا تھا کہ جب کسی کو حال آ جائے تو گانے والے کو چاہیے کہ کلام کی تکرار کرتا رہے۔ وہ عورتیں اس شعر کی تکرار کرنے لگیں۔

آپ نے عالم رقص میں عروسی لباس کو پھاڑ کر پرزے پرزے کر دیا۔ اب عالم یہ تھا کہ چند دھجیاں آپ کے گلے میں پڑی ہوئی تھیں اور آپ دیوانہ وار رقص کر رہے تھے۔

بعض عورتوں نے لڑکی کی والدہ سے تاسف کا اظہار کیا اور انہیں طعنے دیے کہ انہوں نے ایک دیوانے سے اپنی لڑکی کو بیاہ کر لڑکی کے ساتھ دشمنی کی ہے۔ لڑکی کی والدہ نے خدا کی مرضی کہہ کر ان عورتوں کو چپ کرا دیا۔

شادی کے بعد بھی آپ کی کیفیت میں تبدیلی نہیں آئی۔ ماسوا اللہ سب سے ترک تعلق کیے ہوئے تھے اور اس حد تک دنیا کو چھوڑ رکھا تھا کہ آبا و اجداد کی وہ جائداد جو آپ کے ورثے میں پہنچتی تھی' اس کے حصول کی طرف بھی کبھی توجہ نہیں کی۔ گھر میں ہر وقت فقر و فاقہ رہتا تھا۔ ردولی میں بہت سے رشتے دار رہتے تھے لیکن انہوں نے بھی دیوانہ سمجھ کر ساتھ چھوڑ

دیا تھا۔ آپ اللہ پر توکل کیے بیٹھے تھے۔
حضرت شیخ کی اہلیہ بھی نہایت عابدہ، زاہدہ اور ولیہ خاتون تھیں۔ ہمیشہ روزانہ صبح کو دو پارے قرآن کے تلاوت فرماتیں۔ عام طور پر دینی کتابیں مطالعہ کرتیں۔ تہجد کی اس قدر پابند تھیں کہ یہ نماز کبھی نہیں چھوٹی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ صبر و توکل کے ساتھ شیخ عبدالقدوس کے ساتھ گزارا کر رہی تھیں۔
ادھر یہ فاقہ کشی تھی ادھر سیاسی بساط پر مہرے تبدیل ہو رہے تھے۔ بدانتظامی زور پکڑتی جا رہی تھی۔ شرقی حکومت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ لودھی حکومت سرگرم عمل تھی۔
بہلول خان لودھی کا ایک امیر عمر خان شیروانی، ولی عہد شہزادہ نظام لودھی سے بغاوت کر کے بہلول لودھی کے دوسرے بیٹے باربک شاہ لودھی کے پاس چلا گیا تھا۔ یہ شہزادہ اس وقت جون پور میں فروکش تھا۔ اعظم خان شیروانی اس امید میں جون پور آیا تھا کہ شہزادہ باربک اسے کسی علاقے کا ناظم بنا دے گا لیکن بات نہ بن سکی۔ اب وہ عجیب راستے پر کھڑا تھا۔ شہزادہ نظام سے بگڑ چکی تھی۔ شہزادہ باربک نے اسے اہمیت نہیں دی تھی۔ نہ ایک جگہ ٹھہر سکتا تھا نہ دوسری جگہ جا سکتا تھا۔ اب وہ کسی تیسرے مقام کی تلاش میں تھا۔ دنیاوی جوڑ توڑ ختم ہو چکے تھے۔ اب اسے کسی صاحب دل درویش کی تلاش تھی جو اس کے حق میں دعا کرے اور اس کے دل کی مراد پوری ہو۔
وہ کسی ہارے ہوئے سپاہی کی طرح فتح کی تلاش میں ردولی پہنچ گیا۔ وہ کوئی ایسا گمنام نہیں تھا۔ سرکار بہلول سے اسے خان اعظم کا لقب ملا تھا۔ لوگوں کو اس کی شجاعت کے قصے ازبر تھے۔ اب اس پر برا وقت پڑا تھا لیکن وہ اچھے دن دیکھ چکا تھا۔ اس کی آمد کی خبر مشہور ہوئی تو لوگ جوق در جوق اس سے ملاقات کو آنے لگے۔ اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کوئی سالک یا مجذوب ایسا ہے جس کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کروں۔ لوگوں نے اسے بتایا کہ یہاں ایک نوجوان شیخ عبدالقدوس نامی ہے جو ہر وقت یاد الٰہی میں مصروف رہتا ہے۔ صاحب حال و اہل کمال ہے۔ دوسرا ملک یونس مجذوب ہے۔ اگرچہ بہ ظاہر دیوانہ ہے لیکن صاحب دل ہے۔
عمر خان نے اپنی خواہش کا اظہار کیا اور کچھ لوگ اسے حضرت شیخ عبدالقدس کی خدمت میں لے آئے۔ عمر خان نہایت جہاندیدہ شخص تھا۔ چند باتوں میں اس نے حضرت کا مرتبہ دریافت کر لیا۔
''عمر خان! کہو کیسے آنا ہوا؟''
''حضور کے دیدار کو حاضر ہوا تھا۔''
''ہم فقیروں کے پاس جب کوئی امیر آتا ہے تو اس کا کوئی نہ کوئی مطلب ہوتا ہے۔''
''حضور پر سب روشن ہے۔ میں غریب الدیار۔ اس وقت میرا کوئی ٹھکانا نہیں۔ مجھے جگہ دیجیے اور مجھے اپنے دامن میں لیجیے۔ بس یہ میری تمنا ہے۔''
''تم پریشان مت ہو۔ اگر اللہ کے پاس ہماری جگہ ہے تو تمہارے لیے بھی جگہ ہوگی۔ تم ضرور کامیاب ہو گے۔''
''بس مجھے ان ہی کلمات کی آرزو تھی۔''
اس طرف سے مطمئن ہونے کے بعد وہ ملک یونس نامی مجذوب کی خدمت میں پہنچا۔ شاید کامیابی اس کے مقدر میں تھی لہٰذا ان بزرگ نے بھی اسے خوش خبری سنائی۔
دونوں بزرگوں کی دعائیں مستجاب ہوئیں۔ چند دن بعد بہلول لودھی کا انتقال ہو گیا۔ باربک شاہ سلطان بہلول لودھی کا بڑا بیٹا تھا۔ بہلول لودھی کی وفات کے بعد دہلی کا تخت خالی ہو گیا۔ بعض امرائے سلطنت نے چاہا کہ باربک شاہ کو تخت پر بٹھائیں جبکہ بعض دوسرے امرا شہزادہ نظام (سکندر لودھی) کو تخت سلطنت پر بٹھانے کی طرف مائل تھے۔ سکندر لودھی کی ماں ستاری تھی۔ بہلول لودھی کے چچازاد بھائی عیسیٰ خان لودھی نے گالیاں دے کر کہا۔
''ہم ایک ستاری کے لڑکے کو کس طرح تخت پر بٹھا سکتے ہیں۔'' خان خاناں نے جو امرائے نامدار میں تھا، عیسیٰ خان سے کہا۔
''ابھی بادشاہ کی وفات کو دو روز بھی نہیں گزرے۔ تمہارے لیے مناسب نہیں کہ تم بادشاہ کی اہلیہ پر دشنام طرازی کرو۔''
اس تکرار میں بات بڑھ گئی۔ عیسیٰ خان نے اسے ایک معمولی ملازم ہونے کا طعنہ دیا۔ خان خاناں بپھر گیا۔ اس نے ڈپٹ کر کہا۔ ''ہم نظام خاں کے نوکر ہیں۔ اسے تخت پر بٹھائیں گے۔''
خان خاناں نے تمام امرا کو متفق کیا اور تلوار کی نوک پر نظام خان کو تخت پر بٹھا دیا۔ نظام خان نے سکندر لودھی کے لقب کے ساتھ حکومت سنبھال لی۔
حضرت شیخ عبدالقدوسؒ کی پیش گوئی حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی۔ شہزادہ سلطان نظام (سکندر لودھی) نے تخت پر بیٹھتے ہی قاصدوں کے ذریعے تحفے تحائف بھیج کر قول و قرار اور قسم سے عمر خان کو ہر طرح کی عزت و احترام کا یقین دلایا اور وہ اس کے پاس چلا گیا۔ شہزادہ نظام نے اپنے

وعدے کا پاس کیا اور عمر خان کو علاقہ کول کا ناظم مقرر کر دیا۔ اس کی سابقہ جاگیریں بھی اس کے پاس رہیں۔

☆☆☆

ردولی کے حالات روز بہ روز خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے تھے۔ کافروں کا اس درجہ غلبہ ہو گیا تھا کہ بازاروں میں سؤر کا گوشت کھلے عام فروخت ہو رہا تھا۔ حضرت شیخ کو ان حالات سے سخت کوفت ہو رہی تھی۔ آپ سخت دلگیر رہنے لگے۔ انہی دنوں آپ کو معلوم ہوا کہ نکنہ نامی مقام پر سلطان سکندر خیمہ زن ہے۔ عمر خان شیروانی بھی اس کے ہمراہ ہے۔ آپ نے اپنے ایک خادم کو عمر خان کے پاس بھیجا کہ وہ ردولی کے تمام حالات ان تک پہنچا دے۔

آپ کا خادم خاص ایک طویل سفر طے کر کے شاہی خیمے تک پہنچ گیا۔ وہاں موجود پہرے داروں نے اسے عمر خان کے خیمے تک پہنچا دیا۔ عمر خان نے شیخ کی خیریت دریافت کی لیکن جب اسے ردولی کے حالات کا علم ہوا تو وہ آپ کی طرف سے سخت فکرمند ہوا۔

''میں یہ حالات سلطان تک پہنچا تو دوں گا لیکن حالات کی درستی میں نہ جانے کتنا وقت لگ جائے۔ شیخ سے کہیے وہ میرے علاقے شاہ آباد میں چلے آئیں۔ میں ان کی خدمت گزاری میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھوں گا۔''

حضرت شیخ کے خادم نے عمر خان کی دعوت آپ تک پہنچا دی۔ اولیا اللہ کوئی قدم خود نہیں اٹھاتے۔ اللہ سے مشورے کے طالب ہوتے ہیں۔ آپ نے بہ ذریعہ کشف یہ دریافت کر لیا کہ شاہ آباد کا قیام خلق خدا کی بہتری کے لیے مفید ہوگا۔ آپ نے اپنی اہلیہ سے مشورہ کیا اور آپ 897ھ میں مستقل طور پر شاہ آباد میں مقیم ہو گئے۔ آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ حمید جن کی عمر گیارہ سال تھی اور چند خادم آپ کے ساتھ تھے۔

یہ سیاسی بدامنی اور اخلاقی پستی کا زمانہ تھا۔ مسلمانوں کے زوال و انحطاط کے آثار نمایاں ہو چکے تھے۔ یہاں پہنچنے کے بعد یہ عقدہ آپ پر کھلا کہ قدرت نے انہیں یہاں کیوں بھیجا ہے۔ خلق خدا کو کسی رہنما کی ضرورت ہے۔ اس کمی کو انہیں پورا کرنا ہے۔ یہاں پہنچتے ہی اس اندھیرے میں انہوں نے رشد و ہدایت کی شمع روشن کی۔ دور دور سے طالبین حق پروانہ وار آپ کے گرد جمع ہونے لگے۔ وہ چشمے جاری کیے کہ سیراب ہونے والوں کے ہجوم لگ گئے۔ گناہ گار تائب ہونے کے لیے آپ کی خدمت میں آنے لگے۔ آپ کی نگاہ کیمیا اثر نے ان گناہ گاروں سے بہت سوں کو ولی اللہ بنا دیا۔ ان ہی

✿ تصانیف

بحرالانشعاب، شرح مصباح، حاشیہ شرح صحائف، شرح عوارف، فوائد القرأۃ، رسالہ قدسی، رشد نامہ، نور المعانی شرح قصیدہ امانی، انوار العیون، مظہر العجائب، مجموعہ کلام فارسی، رسالہ نور الہدیٰ، مکتوبات قدوسیہ، اسرار العجائب، اوراد شیخ عبدالقدوس (آپ کی اکثر تصانیف مغلوں اور افغانوں کے ہنگاموں میں ضائع ہو گئیں)

میں ایک شیخ بھورا بھی تھے۔ یہ ہمیشہ شراب کے نشے میں چور رہتے تھے لیکن اپنی اس عادت بد سے تنگ بھی تھے۔ آپ کی خدا ترسی کے قصے سنے تو گرتے پڑتے، ڈولتے، لڑکھڑاتے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

''میں شراب نوشی کی خبیث عادت میں مبتلا ہوں۔ میرے حال پر توجہ فرمائیے۔''

''گھبراؤ نہیں، تم بہت جلد شراب سے تائب ہو جاؤ گے۔''

''میں نے بہت کوشش کر کے دیکھ لی۔ آپ میرے حق میں دعا کیجیے۔''

آپ نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا اور کچھ پڑھ کر ان پر دم کیا۔ ایک مرتبہ پھر انہیں تسلی دی اور شیخ بھورا بے یقینی کے عالم میں اٹھ کر چل دیے۔

چند دن بھی نہیں گزرے تھے کہ شیخ بھورا نے شراب بالکل ترک کر دی۔ باقاعدگی سے آپ کی مجلس میں حاضر ہونے لگے۔ شراب چھوٹ چکی تھی۔ نماز کی پابندی کرنے لگے تھے لہٰذا زیارت حرمین کا شوق ہوا۔

''مجھے اجازت دیجیے کہ میں حج پر چلا جاؤں۔''

''ابھی مت جاؤ۔'' آپ نے فرمایا۔ ''تمہارا مقصد یہیں پورا ہوگا۔''

پھر آپ نے توجہ کی اور ان کی تربیت باطنی کا آغاز کر دیا۔ شیخ بھورا آپ کی رہنمائی میں ریاضتوں اور مجاہدوں میں مصروف ہو گئے اور اس بلند مرتبے پر فائز ہوئے کہ آپ کا شمار اولیا اللہ میں ہونے لگا۔

☆☆☆

حضرت شیخ گمنامی کو پسند کرتے تھے۔ اگرچہ آپ صاحب کرامات تھے لیکن خود اپنی کوئی کرامت کسی پر ظاہر نہ فرماتے تھے جب تک کہ کوئی اشد ضرورت ہی پیش نہ آ جائے۔

ایک مرتبہ آپ کے ایک مرید ملک مبارک نے پہاڑ سے آپ کے گھر کی چھت کے لیے کچھ کڑیاں بھجوائیں۔ جیسے ہی یہ کڑیاں آئیں شاہ آباد کے عامل نے فوراً ہی بڑھئی اور کاریگر مقرر کیے تاکہ وہ جلد سے جلد چھت ڈالیں۔ کاریگروں نے جب ان کڑیوں کی پیمائش کی تو وہ طول میں اس قدر چھوٹی تھیں کہ حجرے کی دیواروں تک نہیں پہنچتی تھیں۔ کاریگر سوچنے لگے کہ یہ کڑیاں بے کار ہیں۔ جب تک دوسری کڑیاں نہیں آئیں گی چھت کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ جب یہ خبر حضرت شیخ کو معلوم ہوئی تو فرمایا۔

''میں تو ایک درویش اور فقیر ہوں۔ یہ بھی ایک مرید نے بھیج دی تھیں۔ اب میں دوسری کڑیاں کہاں سے لا سکتا ہوں۔ اگر اللہ چاہے تو یہی کڑیاں ٹھیک ہو جائیں گی۔'' تھوڑی دیر کے بعد آپ اٹھے اور اپنے عصا سے ان کڑیوں کی پیمائش کی اور فرمایا کہ انہیں اٹھاؤ اور دیواروں پر رکھو۔ کاریگروں نے اٹھایا اور دیواروں کے سرے پر رکھا۔ قدرت الٰہی سے یہ کڑیاں اس قدر دراز ہو گئیں کہ دیواروں کے باہر تک پہنچتی تھیں۔

اسی طرح ایک دفعہ حضرت شیخ کی اہلیہ نے صحن خانقاہ میں چھپر ڈلوانا چاہا۔ چھپر باندھنے کا کام شروع ہوتے ہی حضرت شیخ حجرے سے باہر تشریف لائے اور چھپر ڈالنے والوں سے فرمایا۔ ''آج چھپر نہ ڈالو۔'' حضرت شیخ کے بڑے صاحبزادے شیخ حمید نے عرض کیا ''یہاں تو پہلے بھی چھپر ڈالا جا چکا ہے اور یہ ایسی جگہ ہے کہ ہر وقت یہاں سے چھپر ہٹایا جا سکتا ہے اس لیے اس میں کیا مضائقہ ہے۔'' آپ خاموش ہو گئے۔ ابھی چھپر آدھا ہی بندھا تھا کہ گجرات سے محمود قوال آیا۔ وہ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے گانا شروع کیا۔ حضرت شیخ پر وجد کی کیفیت اس درجہ طاری ہوئی کہ آپ نے وہ چھپر توڑ کر پھینک دیا اور صحن میں وجد کرنے لگے۔

☆☆☆

مولانا جندن جو حضرت شیخ کے نہایت مخلص مریدوں میں تھے، کپڑے دھونے کے لیے ندی کے کنارے گئے۔ وہاں ایک حسین و جمیل عورت کو دیکھا۔ اس کے حسن و جمال سے اس قدر متاثر ہوئے کہ قریب تھا کہ ان سے کوئی غیر شرعی حرکت سرزد ہو جاتی، یکایک ان کی نظر ندی پر پڑی۔ دیکھا کہ وسط ندی میں حضرت شیخ کھڑے ہوئے ہیں۔ حضرت شیخ کو دیکھتے ہی ان میں خجالت و شرمندگی کی کیفیت پیدا ہوئی اور نیکی نے بدی پر غلبہ پا لیا۔

وہاں سے واپسی کے بعد کئی دن تک مولانا جندن شرمندگی و خجالت کی وجہ سے شیخ کے سامنے حاضر نہ ہوئے۔ ایک دن اتفاق سے ان سے ملاقات ہو گئی۔ حضرت شیخ نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ ''کوئی بات نہیں۔ شیخ اپنے مریدوں کا محافظ ہوتا ہے۔''

☆☆☆

حضرت شیخ کے بھانجے شیخ بڈھن ردولی کے قریب موضع مہونده میں رہتے تھے۔ اسی موضع میں شیخ بہاالدین نامی ایک صاحب مال بزرگ کا بھی قیام تھا۔ ایک روز صبح صادق کے وقت شیخ بڈھن اس درویش کے حجرے کے پاس سے گزرے۔ دیکھا کہ حجرے میں چراغ روشن ہے۔ شیخ بڈھن کے دل میں خیال گزرا کہ یہ کس قسم کے درویش ہیں جو صبح صادق کے وقت عبادت الٰہی سے غافل ہو کر سو رہے ہیں۔ شیخ بہاالدین نے اپنی کشفی قوت سے شیخ بڈھن کے اس خیال کو محسوس کر لیا اور انہیں سخت غصہ آیا۔ انہوں نے چاہا کہ وہ چراغ اٹھا کر زمین پر دے ماریں اور اس طرح وہ شیخ بڈھن کو اپنے تصور روحانی سے ہلاک کر دیں۔ حضرت شیخ جو اس وقت گنگوہ میں تھے جو ردولی سے تقریباً تین سو کوس فاصلے پر ہے۔ آپ نے کشف میں یہ تمام واقعہ مشاہدہ فرمایا اور روحانی تصرف سے آپ شیخ بہاء الدین کے پاس پہنچ گئے۔

''یہ میری اولاد ہے۔ آپ اسے معاف کر دیں تو اچھا ہو۔''

''میں چراغ اٹھا چکا ہوں۔ مردان حق اپنے ارادے کو نہیں بدلتے۔ اب تم بتاؤ میں اسے کس پر ماروں؟''

یہ کہنا تھا کہ اسی وقت شیخ عمر کی روح جسمانی صورت کے ساتھ حاضر ہوئی۔ شیخ عمر پرگنہ ردولی کا حاکم تھا اور نہایت ہی ظالم انسان تھا۔ شیخ بہاالدین نے وہ چراغ جوان کے ہاتھ میں تھا، شیخ عمر پر دے مارا۔ صبح کو یہ تمام واقعہ خود شیخ بہاالدین نے شیخ بڈھن سے بیان کیا۔ چند دن بھی نہ گزرے تھے کہ شیخ عمر مغلوں کے ہاتھ مارا گیا۔

☆☆☆

اس زمانے میں جب آپ شاہ آباد میں مقیم تھے۔ ایک روز اپنے حجرے میں عبادت میں مصروف تھے کہ آپ کو شیخ

فلسفہ سماع پر حضرت شیخؒ کا ایک ارشاد

اے برادر! ایک مثال مجھ سے سنو۔ کنویں کا پانی اس وقت تک باہر نہیں آتا جب تک اس کا کھینچنے والا نہ ہو۔ یہی حال اسرارِ الٰہی کا ہے جو تیرے دل میں ہیں۔ سماع ان اسرارِ الٰہی کو باہر لانے والا ہے اور سماع کے بارے میں شریعت کا فتویٰ یہ ہے کہ وہ اس کے اہل کے لیے جائز ہے اور نااہل کے لیے حرام۔ اہلِ سماع اس شخص کو کہتے ہیں کہ کوئی آواز پیامِ دوست کے سوا نہ سنے اور دوست کے جمال کے سوا کوئی جمال نہ دیکھے۔

احمد عبدالحق کی آواز آئی۔ آپ فرما رہے تھے۔ ''فوراً شیخ بڈھا کو ردولی پہنچاؤ۔''

شیخ بڈھا آپ کے مرشد حضرت شیخ محمد کے صاحبزادے تھے اور ان دنوں تعلیم کے سلسلے میں شاہ آباد میں مقیم تھے۔ شیخ احمد عبدالحق کی آواز سن کر آپ کو فکر ہوئی کہ ایسی کیا بات ہوگئی۔ شیخ بڈھا کو کیوں طلب کیا جارہا ہے۔ آپ ان کو اپنے ساتھ لے کر ردولی پہنچے۔ اندیشے سامنے آکر کھڑے ہوگئے۔ آپ کے مرشد شیخ محمد عالمِ سکرات میں تھے۔ کبھی بے ہوش ہوجاتے تھے کبھی ہوش میں آجاتے تھے۔ ایک مرتبہ ہوش میں آئے تو شیخ عبدالقدوس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

''اے شیخ! یہ وقت ہوشیاری کا ہے۔'' شیخ عبدالقدوس نے اپنے مرشد سے عرض کیا۔

''ہماری طرف سے بے فکر رہو۔ اب تک مشغول تھے یا نہ تھے لیکن اب یہ عالم ہے کہ ہمارے سینے میں سوائے اللہ کے کوئی چیز نہیں گزرتی۔'' مرشد نے فرمایا۔

''حضور! اس ہوشیاری اور دولتِ ابدی کے ساتھ روانہ ہو رہے ہیں لیکن آپ کے بعد ہمارا کیا ہوگا۔''

''تمہیں کیا فکر۔ تم اولیا اللہ میں سے ہو۔'' آپ کے مرشد نے فرمایا اور ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کرلیں۔

مرشد کے وصال کے بعد آپ پر یہ حقیقت کھل گئی کہ شیخ بڈھا کو کیوں طلب کیا جارہا تھا اسی لیے لوگوں کے اصرار کے باوجود آپ نے اپنے بجائے شیخ بڈھا کو خلیفہ منتخب کر کے ان کو اپنے والد کا سجادہ نشین کیا اور خود شاہ آباد واپس آگئے۔

مرشد کی وفات حسرت آیات کوئی معمولی واقعہ نہیں تھی۔ اس واقعے کے بعد دنیا کو آپ نے بالکل ہی فراموش کردیا۔

اہلِ اقتدار سے ملنا آپ کو پہلے بھی گوارا نہیں تھا مگر اب تو یہ حال ہوگیا کہ قاضی محمود تھانیسری جو اس وقت ردولی کا داروغہ تھا، جب بھی آپ کی ملاقات کے لیے آتا، حضرت شیخ اس کی آمد کی خبر سن کر کسی ویرانے میں تشریف لے جاتے۔ آپ کا کہنا تھا کہ ان دنیا داروں سے مجھے ایسی ناگوار بو آتی ہے کہ میں بھاگ کھڑا ہوتا ہوں۔

دنیا داروں سے آپ کی مراد اہلِ اقتدار تھے ورنہ عام لوگ تو آپ کی خانقاہ میں ہر وقت جمع رہتے تھے۔ ان کے دکھ، تکلیف کا احساس ہر وقت رہتا تھا۔ ان کے تلقین و وعظ کا اہتمام ہر وقت کیا کرتے تھے۔ ایک سچے صوفی کا یہی فریضہ ہوتا ہے۔

خدمتِ خلق کے اسی جذبے کے تحت آپ کو خانقاہ سے باہر کی دنیا کو بھی دیکھنا پڑا۔ اہلِ سیاست جن سے آپ احتراز کرتے رہے تھے، انہیں بھی مخاطب کرنا پڑا۔ سیاسی ماحول میں بگاڑ پیدا ہونے لگا جس کے اثرات عوام پر ظاہر ہونے لگے تو آپ نے اہلِ اقتدار کو راہِ راست پر لانے کے لیے ان کو خطوط لکھے اور ان پر وعظ و تبلیغ کا دروازہ کھول دیا۔

ان خطوط کے ذریعے آپ نے سلاطین و امرا کو اتباعِ سنت، ترویجِ شریعت، عدل و انصاف، احترامِ علما اور دیگر اخلاقیات کی طرف توجہ دلائی۔

سکندر لودھی فرماں روائے دہلی کو خطوط روانہ کیے جن میں انہوں نے علما، صلحا اور مشائخ کی تیمارداری و غم خواری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا کہ اگر ملوک و سلاطین، علما و مشائخ کی تیمارداری نہ کریں اور ان کے ساتھ لطف و کرم سے پیش نہ آئیں اور اپنے فرض میں غفلت برتیں تو شہروں میں تباہی آئے گی۔

اس طرف توجہ دلائی کہ دولت دو جہانی اور سعادت جاودانی ایک تو صدق و اخلاص اور خدا کی عبادت کرنے پر اور دوسرے مخلوق خدا کی خدمت پر منحصر ہے۔

سلطان کے امرا کے نام خطوط تحریر کیے۔ آپ نے ان تمام امرا میں دینی احساس و شعور کو بیدار کیا اور ان کو خشیت الٰہی اور طلب آخرت کی طرف توجہ دلائی۔

ایک امیر خواص خاں نے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا۔ اس کے جواب میں حضرت شیخ نے اسے لکھا۔

''مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ظاہر کو عبادت سے آراستہ کرے اور اپنے باطن کو محبت سے پیراستہ کرے تاکہ انسانی پیدائش کا مقصد جو معرفت وعبادت ہے پورا ہو۔''

اس کے بعد لکھا۔ ''ملاقات ظاہری کا وقت مقرر ہے اور یہ اپنے وقت پر حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد اس عظمت کے باوجود جو حضرت شیخ کو حاصل تھی، اپنے حال پر افسوس کرتے ہوئے لکھا کہ بال سپید ہوچکے ہیں لیکن ابھی تک جمالِ اسلام مجھ پر منکشف نہیں ہوا۔ میں شایانِ ملاقات نہیں ہوں۔ میری سیاہ روئی اور تباہ حالی اس درجے ہے کہ مجھے اس طرح بھول جاؤ کہ میں پھر یاد نہ آؤں تاکہ میں گوشہ زاویہ میں رہ کر اطمینان سے حق کے کاموں اور غم آخرت میں مصروف رہوں۔''

اسی طرح بیسیوں امرا کے نام خطوط لکھتے رہے اور تبلیغ کے فرائض ادا کرتے رہے لیکن ان میں کسی خط میں بھی اپنے کسی مقصد کا اظہار نہیں فرمایا۔ اپنی ضرورتوں کے ہاتھ توڑ کر ہی کسی کی خدمت کا حق ادا کیا جاسکتا ہے۔

ایک زمانہ وہ تھا جب آپ کے والد نے انشا پردازی کی مشق کے لیے فرمایا تھا کہ دوسروں کے خط پڑھا کرو اور ویسا ہی لکھنے کی مشق کیا کرو لیکن آپ نے مشق کرنے سے انکار کردیا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو انشا پردازی پر کبھی عبور حاصل نہ ہوسکے گا۔ تعلیم بھی ادھوری چھوڑ دی تھی لیکن جب آپ نے خطوط تحریر کیے اور لوگوں کی نظروں تک پہنچے تو لوگ کہہ اٹھے۔ ''فطرت خود کیا کرتی ہے لالے کی حنابندی۔''

یہ مکاتیب نہ صرف فارسی ادب میں اسلوب نگارش، طرز ادا، فصاحت و بلاغت اور بلند ترین انشا پردازی کا ایک شاہکار ہیں بلکہ تصوف کے اہم رموز و نکات، علمی مسائل کی توضیحات، عقائد و اعمال کی تشریح، ترویج دین، اشاعت اسلام اور رشد وہدایت کے اہم ابواب پر مشتمل ہیں۔

☆☆☆

شاہ آباد کے قیام کے آخری دنوں میں ان کے بعض مریدوں کی طرف سے یہ تقاضے بڑھتے جارہے تھے کہ وہ قصبہ گنگوہ ضلع سہارن پور میں رہائش اختیار کرلیں لیکن آپ نے کسی اصرار کو درخور اعتنا نہیں سمجھا اور برابر ٹالتے رہے۔

آپ کی طرف سے انکار دیکھا تو اس اصرار نے ایک نئی صورت اختیار کرلی۔ یہ اصرار ہونے لگا کہ اگر حضور کو یہاں آنے میں کوئی وجہ مانع ہے تو اپنے صاحبزادوں میں سے کسی کو اجازت دیجیے کہ ہمارے وطن گنگوہ میں سکونت اختیار فرمائیں تو ہماری خوش بختی کی بات ہوگی۔

آپ نے متعدد بار کے اصرار کے بعد اپنے چھوٹے صاحبزادے حضرت رکن الدین کو گنگوہ روانہ کردیا۔ حضرت کے ایک مرید ملک عثمان کرانی نے محلہ سرائے میں خیمے نصب کروائے تھے۔ خلقتِ شہر نے یہاں پہنچ کر آپ کا شایانِ شان استقبال کیا اور نہایت احترام سے آپ کو آپ کی اقامت گاہ تک لے کر گئے۔

کچھ دن بعد آپ کے بڑے بھائی شیخ حمید بھی گنگوہ تشریف لے آئے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ کچھ دن میں حضرت عبدالقدوس بھی اس قصبے کو رونق بخشیں گے لیکن ہوا اس کے برعکس۔ ان دونوں بھائیوں نے کچھ دن یہاں قیام کیا اور پھر شاہ آباد لوٹ گئے۔ حضرت کے مریدوں نے پھر خطوط ارسال کیے۔ اپنی کوتاہیوں کی معافی چاہی۔ آیندہ مزید خدمت کے وعدے کیے۔ آپ نے اپنے صاحبزادوں کو ایک مرتبہ پھر گنگوہ روانہ کردیا لیکن چند دن کے قیام کے بعد یہ دونوں صاحبزادے پھر لوٹ آئے۔ عذر یہی تھا کہ ہمارا وہاں دل نہیں لگتا۔

جب بار بار یہی ہوا تو حضرت شیخ نے کشف اور نور باطن سے معلوم کرکے ان صاحبزادوں سے ارشاد فرمایا کہ تم کیوں گنگوہ سے بار بار لوٹ آتے ہو۔ گنگوہ کو مت چھوڑو کیونکہ اسی قصبے کو آیندہ تمہارا وطن بننا ہے۔ یہ بات اس وقت کسی کی سمجھ میں نہیں آئی۔

دہلی نے اس وقت غم کی سیاہ چادر اوڑھ لی جب 923ھ میں سکندر لودھی کا انتقال ہوگیا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا ابراہیم لودھی تخت نشیں ہوا۔ امرائے حکومت نے ابراہیم لودھی کو تخت نشیں کرتے وقت اس کے بھائی جلال خان کو جون پور کی حکومت کا سربراہ مقرر کیا۔

ابراہیم لودھی نے امرائے حکومت کے اس انتظام کو دل سے قبول نہیں کیا تھا۔ وہ کسی شورش سے بچنے کے لیے اس وقت تو خاموش رہا لیکن وہ موقع کے انتظار میں تھا۔ جب اس نے محسوس کیا کہ اس کے قدم جم گئے ہیں تو اس نے آگرہ سے

جون پور تک کے عہدیداروں کو خطوط ارسال کیے کہ وہ جلال خان کی فرماں برداری سے انکار کردیں۔
ابراہیم لودھی کے تیز رفتار قاصد آگرہ سے جون پور کی طرف دوڑ پڑے۔ ابھی یہ برق رفتار راستے میں تھے کہ جلال خان کو اس کی خبر ہوگئی۔ وہ وقت ضائع کیے بغیر اپنے لشکر کے ساتھ آگرے کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ قسمت نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ ایک جھڑپ کے بعد گرفتار ہوگیا۔ ابراہیم لودھی نے اسے ہانسی بھجوا کر نظر بند کردیا۔
امرائے حکومت میں کھلبلی مچ گئی۔ جلال خان کو ان امرا کی تائید حاصل تھی اس لیے ابراہیم لودھی کو یہ کھٹکا ہمیشہ رہتا تھا کہ اگر جلال خان زندہ رہا تو اس کے وفادار کسی بھی وقت علم بغاوت بلند کرسکتے ہیں۔ اس نے یہی بہتر سمجھا کہ جلال خان کو زندہ نہیں رہنا چاہیے۔
ایک اندھیری رات میں کچھ شمع بردار ابراہیم لودھی کی خواب گاہ کی طرف بڑھتے دکھائی دیے۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ابراہیم لودھی بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ روشنی کا جھپاکا ہوتے ہی اس نے آنے والوں کا خیر مقدم کیا۔
''کسی نے دیکھا تو نہیں۔''
''حضور کے جانثار سب کو سوتا چھوڑ کر آئے ہیں۔''
''میرے بہت سے امرا جلال خان کو زندہ دیکھنا چاہتے ہیں۔''
''اور آپ؟''
''جلال خان زندہ رہا تو شورش جاری رہے گی۔''
''اس کی موت کی صورت میں امرا کا طرز عمل کیا ہوگا؟''
''اول تو انہیں معلوم ہی نہیں ہوگا کہ جلال خان پر کیا گزر گئی اور جب معلوم ہوگا تو کس کے حق میں آواز اٹھائیں گے؟ اس کے باوجود بھی کسی نے سر اٹھایا تو مجھے اپنی تلوار پر بھروسا ہے۔''
''ہمارے لیے کیا حکم ہے؟''
''مکمل راز داری اور جلال خان کا قتل۔''
''حکم کی تعمیل ہوگی۔''
ان شمع برداروں میں وہ امرا تھے جنہوں نے تخت نشینی کے وقت جلال خان کو جون پور کی حکومت دینے کی تجویز کی مخالفت کی تھی۔ دو خونخوار جلاد بھی تھے جنہیں وہ اپنے ساتھ لائے تھے۔
قتل کا پروانہ ملتے ہی یہ سب کے سب واپس لوٹ گئے۔ رات کے اندھیرے میں کئی گھوڑے ہانسی کی طرف جانے والی سڑک پر سرپٹ دوڑ رہے تھے۔
دوسرے دن کے سورج نے دن کی روشنی میں اپنا چہرہ دیکھا تو ابراہیم لودھی تک یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ جلال خان اب اس دنیا میں نہیں رہا۔
انہی دنوں میواڑ کے رانا سنگرام سے اس کا مقابلہ ہوا۔ رانا سنگرام نہایت بہادر سمجھا جاتا تھا لیکن جب ابراہیم لودھی نے اسے شکست دے دی تو لودھی کے غرور میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔
جلال خان کے قتل کی خبر بہت سے امرا کو مل چکی تھی۔ رانا سنگرام پر فتح نے لودھی کی خودسری میں مزید اضافہ کردیا تھا لہٰذا بعض نامور امرا نے اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن پے در پے فتوحات نے اسے واقعی اتنا خودسر کردیا تھا کہ اب وہ کسی کے مشورے کا محتاج نہیں تھا۔ اسے وہ لوگ ہی برے معلوم ہونے لگے جو اسے سمجھا سکتے تھے۔
ابراہیم لودھی کی تلوار انسانوں کا خون بہاتی رہی۔ امرائے حکومت روز بہ روز بددل ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ بہادر خان نے بغاوت کردی۔ دوسرے امرائے حکومت بھی اس سے مل گئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ صوبہ بہار اس کی سلطنت سے علیحدہ ہوکر ایک خود مختار صوبہ بن گیا۔
اس کے بعد بھی اسے نصیحت نہیں ہوئی بلکہ اس نے اس کا ذمے دار اپنے امرا کو قرار دے کر ان کے ساتھ مزید سخت رویہ اختیار کیا۔ اب وہ ان کے لیے برہنہ تلوار بنا ہوا تھا۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ اس کے کسی حکم کو ٹالتا یا اس کے برخلاف کرتا۔

❀ ''شب برات''

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی عادت مبارک تھی کہ اس رات ایک قرآن مجید، 100 رکعت باجماعت نفلوں میں پابندی سے ختم فرماتے تھے۔ خصوصیت سے آپ کے صاحبزادے شیخ احمد جو حافظ بھی تھے، امامت فرماتے تھے۔ اگر اتفاق سے شیخ احمد موجود نہ ہوتے تو آپ کسی دوسرے حافظ کو طلب فرماتے۔

ایک دفعہ ابراہیم لودھی نے پنجاب کے گورنر دولت خان لودھی کو طلب کیا۔ وہ مالیہ جمع کرنے میں مصروف تھا لہٰذا اس نے اپنے بیٹے دلاور خان کو اس کے پاس بھجوا دیا۔ ابراہیم نے اسے حکم عدولی قرار دیا۔ دلاور خان کی معذرت اور وضاحت کے باوجود اس کی برہمی میں کمی نہیں آئی۔

''آؤ، میں تمہیں ایک نظارہ دکھاؤں۔'' ابراہیم لودھی اسے ایک قید خانے میں لے گیا۔ دلاور خان نے یہاں وہ بھیانک منظر دیکھا جس نے اس کے ہوش اڑا دیے۔ بڑے بڑے امرا زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیواروں سے لٹکے ہوئے تھے۔ دلاور خان یہ منظر دیکھ کر سہم گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اگر اس کا باپ یہاں آیا تو اس کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے گا۔ وہ کسی نہ کسی طرح اپنی جان بچا کر وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔ پنجاب پہنچ کر اس نے اپنے باپ کو تمام حالات سے واقف کر دیا۔

''خیریت اسی میں ہے کہ آپ خود مختار ہونے کی کوشش کریں ورنہ ایک روز آپ بھی اسی قید خانے میں زنجیروں کے ساتھ کسی دیوار پر لٹکے نظر آئیں گے۔''

دولت خان نے خطرے کو بھانپتے ہوئے ارد گرد نظر دوڑائی تو اسے اپنی بے بسی صاف نظر آئی۔ اس میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ ابراہیم لودھی کا مقابلہ کرتا۔ اس نے پریشان ہو کر ظہیر الدین بابر کو ہندوستان پر حملے کی دعوت دی۔ بابر اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ حملہ آور ہو چکا تھا اور لوٹ مار کر کے واپس جا چکا تھا۔

دوسرے امرائے حکومت کو جب یہ معلوم ہوا کہ دولت خان لودھی نے بابر کو حملے کی دعوت دی ہے تو وہ سخت برہم ہوئے۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ اگر ہم نے مغلوں کی مدد کی تو صرف ابراہیم لودھی کی حکومت ختم نہیں ہو گی بلکہ افغانوں کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ مغل ہم پر حکمران ہو جائیں گے۔ ابراہیم لودھی جیسا بھی ہے ہمارا اپنا تو ہے۔ دولت خان لودھی کو اب احساس ہوا کہ وہ کیا غلطی کر بیٹھا ہے لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ یہ خبر مل چکی تھی کہ بابر اپنے بیٹے ہمایوں کو ساتھ لے کر کابل سے نکل چکا ہے۔ اب یہی طے ہوا کہ مغلوں کے لیے میدان خالی نہ چھوڑا جائے بلکہ اس کا مقابلہ کیا جائے۔

بابر کی فوجیں آندھی کی طرح اٹھیں اور طوفان کی طرح پنجاب پہنچ گئیں۔ یہاں پہنچ کر اس نے منظر ہی دوسرا دیکھا۔ افغانوں کی فوجیں صفیں باندھے تیار کھڑی تھیں۔

دولت خان لودھی عجیب کشمکش و پیچ میں تھا۔ بابر اس کی دعوت پر آیا تھا مگر اب وہ نہ تو بابر کا ساتھ دے سکتا تھا اور نہ افغان امرا کے خلاف لڑ سکتا تھا۔ اس نے دوغلی پالیسی اختیار کی۔ بظاہر بابر کے ساتھ ملا رہا لیکن دورانِ جنگ بابر کی کوئی مدد بھی نہیں کی۔

تمام امرا نے مل کر بابر کا مقابلہ کیا لیکن اس کے باوجود اس نے لاہور فتح کر لیا اور دیپال پور پر بھی قبضہ کر لیا۔ دولت خان کی دوغلی پالیسی اس پر منکشف ہو چکی تھی لیکن اس کے باوجود اس نے اسے جاگیر عطا کی۔

بابر سرہند کی طرف بڑھنا چاہتا تھا لیکن حالات کو نامناسب سمجھ کر اس نے قدم کھینچ لیے اور آگے بڑھنے کے بجائے کابل کی طرف پلٹ گیا۔

☆☆☆

دیپال پور میں سب سے زیادہ لوٹ مار ہو رہی تھی۔ سیکڑوں علما قتل ہو گئے۔ نادر و نایاب کتب خانے لوٹ کی نذر ہو گئے۔ لوگ گھر سے بے گھر ہو گئے۔ اس افراتفری کے عالم کو دیکھ کر بعض لوگ آپ کی خدمت میں دعا کے لیے حاضر ہوئے۔

''خدا تعالیٰ سے دعا فرمایئے۔ کتنے علما و صلحا شہید ہو چکے ہیں۔ اسلام اور مسلمان خطرے میں ہیں۔'' مظلوموں کی استدعا پر آپ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے۔ حکم ہوا کہ انبیا کو مصیبت سے گزرنا پڑا ہے۔ تم کس شمار میں ہو۔

حضرت شیخ کو اس حکم کے بعد اندازہ ہوا کہ تجلی قہر الٰہی تمام عالم پر چمک رہی ہے اور وہ بھی اس ابتلا و آزمائش سے نہیں بچ سکیں گے۔

انہی دنوں حضرت شیخ کی اہلیہ پر کشف حجاب ہوا اور انہوں نے عین بیداری کی حالت میں دیکھا کہ خراسان کی طرف سے ایک آگ اٹھی ہے جو ہر تر و خشک کو جلاتی چلی جا رہی ہے۔

دن نکلا تو انہوں نے اپنے صاحبزادوں سے اس کشف کو بیان کر کے فرمایا کہ جس قدر جلد ممکن ہو یہاں سے بھاگنے کی کوشش کرو۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی بلا نازل ہونے والی ہے۔

حضرت شیخ عبدالقدوسؒ نے فوراً گنگوہ جانے کا ارادہ باندھا۔ آپ کے مرید اور معتقدین نہ صرف یہ کہ آپ کا ساتھ چھوڑنے کو تیار نہیں تھے بلکہ وہ بھی اس مصیبت سے دور بھاگ جانا چاہتے تھے، لہٰذا آپ کے ساتھ ہو لیے۔ مریدوں، معتقدوں اور اہلِ دولت کا جم غفیر تھا جو آپ کے ساتھ گنگوہ پہنچا اور محلہ سرائے میں مقیم ہوا۔

”عبادت میں مشقت“

آخر وقت تک حضرت شیخ شب برات کی سو رکعتوں اور ماہ رمضان کی تراویح اور رات دن کے معمولات، اوراد و وظائف و عبادات کے پابند رہے اور نماز فرض و نافلہ ہمیشہ کھڑے ہو کر ادا فرماتے رہے خصوصاً جس دن بارش ہوتی یا سخت جاڑا پڑتا یا سخت ہوائیں چلتیں تو اس روز آپ اپنے نفس پر زیادہ مشقت اختیار فرماتے اور روزمرہ کے معمولات سے زیادہ عبادات و نوافل بڑھا دیتے تھے۔ دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی تھی کہ اس ضعیفی اور پیرانہ سالی کے باوجود آپ اپنے معمولات، عبادات و اوراد و وظائف کس استقامت اور پابندی کے ساتھ ادا فرماتے ہیں۔

حضرت شیخ نے کبھی اپنے صاحبزادوں سے فرمایا تھا کہ بہت جلد گنگوہ تمہارا وطن بننے والا ہے۔ کئی سال بعد آپ کی یہ پیش گوئی پوری ہو کر رہی۔

ابھی آپ کو اس محلے میں آئے چند ہی روز گزرے تھے کہ کسی مکان میں آگ لگ گئی۔ ہوا اتنی تیز تھی کہ آگ پھیلتی چلی گئی۔ بہت سے لوگ جل کر ہلاک ہو گئے۔ قیمتی سامان جل گیا۔

ہر چند کہ اس آگ سے آپ کی ذات کو کوئی نقصان نہیں پہنچا لیکن لوگوں کا جو نقصان ہوا تھا اس نے آپ کو افسردہ کر دیا تھا۔ اسی رات میں آپ کو الہام ربانی ہوا کہ اس قسم کے مصائب و حوادث پر تمہیں متاثر نہ ہونا چاہیے کہ ہم نے تمہیں قطبیت عطا کی ہے۔

اس سانحے نے آپ پر ایسا اثر کیا کہ آپ کچھ روز کے لیے دہلی تشریف لے گئے۔ اہل دہلی نے آپ کو خوش دلی سے خوش آمدید کہا۔ اکابر علما سے دہلی بھری پڑی تھی۔ آپ کی آمد کی خبر سنتے ہی علمائے وقت آپ سے ملاقات کے لیے حاضر ہونے لگے۔

ایسی ہی ایک مجلس میں علما و صلحا جمع ہوئے تو ”حلال“ اور ”طیب“ پر گفتگو ہونے لگی۔ میاں عبداللہ دانشمند اس وقت کے اساتذہ میں تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ حلال وہ ہے جو اپنے دوست کی ملکیت سے بغیر اجازت کے اس توقع پر کھالیا جائے کہ وہ اجازت دے دے گا اور بعد میں اس سے اجازت طلب کر لی جائے اور حلال و طیب وہ ہے کہ دوست کے مال پر اگرچہ یقین ہو کہ وہ کھانے کی اجازت دے دے گا لیکن اس کی اجازت کے بغیر نہ کھایا جائے بلکہ پہلے اجازت لی جائے اور پھر کھایا جائے۔

ان کی دلیل اتنی بھرپور تھی کہ تمام علما نے اتفاق کیا لیکن حضرت شیخ عبدالقدوسؒ نے اس رائے کو مزید آگے بڑھایا۔ شیخ نے فرمایا۔ ”ہم نے اپنے اساتذہ سے سنا ہے کہ حلال وہ ہے جو اپنے کسب سے حاصل کر کے کھایا جائے اور حلال و طیب وہ ہے کہ اپنے کسب سے کھایا جائے اور خدا تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہو۔“

”سبحان اللہ!“ میاں عبداللہ دانش مند اور دیگر علما نے کلمۂ تحسین بلند کیا۔ ”حضرت! اس بارے میں کچھ اور بھی فرمایئے کہ ہم مستفید ہوں۔“

”آپ علمائے وقت ہیں۔ میں نے تو فقہ کی ابتدائی کتابیں تک نہیں پڑھیں۔“

”آپ کا علم وہبی ہے۔ حال اور قال میں یہی تو فرق ہے۔“

آپ نے فرمانا شروع کیا۔ ”حسن بصریؒ نے فرمایا کہ حلال طیب وہ ہے جس کے کھانے سے قیامت کے دن تجھ سے محاسبہ نہ ہو۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حلال طیب وہ ہے جو دنیا میں تجھ کو بغیر تعب اور وبال کے حاصل ہو اور قیامت میں تجھ پر اس کے متعلق عذاب نہ ہو۔

اور بعضوں نے کہا حلال وہ ہے کہ مفتی اس کے متعلق فتویٰ دیں اور طیب وہ ہے کہ اس کے متعلق تیرا دل گواہی دے کہ یہ حلال ہے اسی لیے حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا۔

”اس چیز کو چھوڑ دے جس کے بارے میں تجھ کو شبہ ہو اور اسے اختیار کر جس کے متعلق تیرے دل میں کوئی شبہ نہ ہو۔“

اسی بنا پر بزرگوں نے فرمایا ہے کہ تم اپنے دل سے فتویٰ

طلب کرو۔ اگر تمہارا دل فتویٰ دے تو یہی کافی ہے۔''

☆☆☆

مولانا شعیب بہت بڑے عالم و عامل اور فرشتہ صورت تھے۔ نہایت اچھے واعظ اور خوش الحان تھے۔ جب وہ وعظ فرماتے اور قرآن مجید پڑھتے تو سڑک سے گزرنے والے اگر چہ سر پر بوجھ ہی کیوں نہ لیے ہوئے ہوتے، آپ کی تلاوت قرآن سننے کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ شہر کے بڑے بڑے علما ان کے وعظ میں حاضر ہوتے۔

ایک روز دہلی میں حضرت شیخ سے ان کے صاحبزادے حضرت رکن الدین نے عرض کیا۔ ''مولانا شعیب اہل علم اور خوش الحان ہیں۔ جمعے کے روز اپنی مسجد میں منبر پر تفسیر کلام اللہ بیان کرتے ہیں۔ وہاں حفاظ کا اجتماع ہوتا ہے۔ اگر آپ بھی کسی جمعہ کو تشریف لے چلیں تو اچھا ہو۔''

فرمایا۔ ''اچھا کسی روز اس مجلس میں شریک ہوں گے۔''

چنانچہ ایک دن جمعہ کو بعد نماز جمعہ آپ مولانا شعیب کی مسجد میں تشریف لے گئے۔ اس وقت مولانا شعیب منبر پر تفسیر بیان کرنے میں مشغول تھے۔ ان کی آواز سنتے ہی حضرت شیخ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی اور مستی عشق و سکر معرفت میں ڈوب کر حضرت شیخ عبدالقدوس اسرار الٰہی بیان فرمانے لگے۔ یہاں تک کہ مولانا شعیب خاموش ہو گئے اور اس انتظار میں رہے کہ حضرت شیخ کو سکون ہو تو وہ تفسیر بیان کریں۔ ایک دریا تھا کہ چڑھتا ہی چلا آ رہا تھا۔ حضرت شیخ کا علم و فضل عروج پر تھا۔ ایسے ایسے نکتے سامنے آ رہے تھے کہ سننے والوں کو حیرت تھی۔ علما دم بخود تھے کہ تقریر یوں بھی ہوتی ہے۔ مولانا شعیب کا کوئی ثانی نہیں تھا لیکن اس وقت معلوم ہوتا تھا وہ بولنا بھول گئے ہیں۔

حضرت شیخ پر عشق و سرمستی کی کیفیت اس قدر غالب تھی کہ ختم ہی نہ ہوتی تھی۔ شیخ رکن الدین نے آپ کو اسی عالم میں سواری پر سوار کر کے روانہ کیا۔

عصر کی نماز کے لیے آپ شیخ المشائخ شیخ نصیر الدین دانشمند کی مسجد میں تشریف لائے۔ آپ پر لرزہ اور بے قراری ابھی تک طاری تھی۔ پھر آپ نے وضو کر کے نماز کی تیاری کی۔ عین حالت عشق و مستی میں بھی شریعت کے مطابق آداب وضو کے ادا کرنے میں نہایت احتیاط برتی۔ سب کو حیرت ہوئی کہ باوجود اس عالم مستی کے احکام شریعت کے بجا لانے میں کس قدر احتیاط برتتے ہیں۔ ایسی احتیاط سنی نہ دیکھی۔

تمام تذکرہ نگار اس پر متفق ہیں کہ اگر چہ آپ نے سوائے ابتدائی کتابوں کے کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی تھی لیکن علم باطنی کی طرح علم ظاہری میں بھی آپ کی یہ کیفیت تھی کہ علمی مسائل میں آپ کے ارشادات پر اکابر علما اور اہل کمال کو آپ کے سامنے دم مارنے کی مجال نہیں تھی اور جو کچھ آپ فرماتے اس کے قبول کرنے کے سوا چارہ نہ تھا۔ علوم ظاہری میں آپ کا یہ کمال وہبی اور منجانب اللہ تھا۔

آپ کی یہ کیفیت کسی خاص علم میں نہیں تھی بلکہ آپ تمام علوم ظاہری میں سرچشمۂ الٰہی سے فیض یاب تھے۔ ان کے صاحبزادے کا بیان ہے کہ جب میں نے شرح صحائف کو پڑھنا شروع کیا تو میرے والد حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے اس کتاب کا پورا مطالعہ کرنے کے بعد اس پر نہایت ہی عجیب مباحث اور حواشی لکھے۔

خود حضرت شیخ عبدالقدوسؒ فرمایا کرتے تھے کہ ابتدا میں ''عوارف'' کا نسخہ میرے حجرے میں برکت کے لیے رکھا رہتا تھا اور مجھے اس موضوع میں کوئی دخل نہیں تھا لیکن پھر میرا شغف یہاں تک پہنچا کہ میں نے عوارف کی شرح عربی میں لکھی۔

☆☆☆

ایک مرتبہ پھر بابر کی ہندوستان آمد کی گونج سنائی دے رہی تھی۔ عوام الناس میں ابتری اور پریشانی پھیلی ہوئی تھی۔ اس مرتبہ بابر کے ارادے خطرناک تھے۔ اس کا رخ دہلی کی طرف تھا۔ اب تک وہ پنجاب تک محدود رہا تھا لیکن اب وہ ہندوستان کے قلب پر حملہ آور ہو رہا تھا۔ افغانوں میں آپس کی نااتفاقیاں تھیں۔ لوگ محسوس کر رہے تھے کہ ابراہیم لودھی اس آندھی کا مقابلہ کرنے سے قاصر رہے گا۔

بابر پنجاب سے آگے بڑھا۔ خود پیچھے رہ گیا اور اپنے بیٹے ہمایوں کو حصار پر حملے کے لیے آگے بھیج دیا اور چھوٹے چھوٹے فوجی دستے آگے بڑھائے تاکہ وہ ابراہیم کی فوجی نقل و حرکت معلوم کریں۔ جب وہ پانی پت پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ ابراہیم لودھی بہت بڑے لشکر کے ساتھ مقابلے کے لیے تیار ہے۔

اس لڑائی میں ابراہیم لودھی کے ساتھ ایک لاکھ سپاہی اور ایک ہزار جنگی ہاتھی تھے اور بابر کے پاس صرف بارہ ہزار جانباز سپاہی تھے۔ ہمایوں بھی حصار کو فتح کر کے بابر کے پاس میدان جنگ میں آ چکا تھا۔

بابر جب حصار توڑ کر مقابل آ گیا تو شہریوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ لوگ خوف و دہشت سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ بستیاں خالی ہو گئیں۔ حضرت شیخ عبدالقدوسؒ بھی اپنے اہل و

عیال اور مریدین کے ساتھ کتانہ نامی گاؤں میں تشریف لے گئے۔

آپ کتانہ میں دریائے جمنا کے مشرقی جانب ٹھہرے ہوئے تھے۔ مغربی جانب سلطان ابراہیم لودھی کا لشکر پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔

ابراہیم لودھی کے لشکر میں یہ خبر پھیل چکی تھی کہ آپ لشکر کے قرب وجوار میں مقیم ہیں تو آپ کے مریدین اور معتقدین جوق در جوق آپ سے ملاقات کے لیے حاضر ہونے لگے۔

ابراہیم لودھی کا خیمہ اس کے امرا اور مشیروں سے بھرا ہوا تھا۔ جنگ کے نقشے کھلے رکھے تھے۔ بابر کی ممکنہ جنگی چالوں پر غور ہو رہا تھا کہ اس کا ایک امیر خیمے میں داخل ہوا۔

''کہاں تھے دلاور خان؟''

''ایک بزرگ شیخ عبدالقدوس قریب کے گاؤں میں مقیم ہیں۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ بس وہیں دیر ہوگئی۔''

''تم یہ تو جانتے ہوگے کہ اس وقت میں نے کتنے اہم مشورے کے لیے تم سب کو طلب کیا تھا۔''

''مجھے احساس تھا لیکن بزرگوں کی دعاؤں میں بڑا اثر ہوتا ہے۔ میں ان سے دعا کی استدعا کے لیے گیا تھا۔''

''ہاں، بزرگوں کی دعاؤں میں بڑا اثر ہوتا ہے۔''

ابراہیم لودھی نے کہا اور دوبارہ ایک نقشے پر جھک گیا۔ کئی گھنٹے کے بعد جب اجلاس برخاست ہوا اور امیر رخصت ہونے لگے تو ابراہیم نے دلاور خان کو روک لیا۔

''وہ فقیر کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں؟''

''مشرق کی جانب کتانہ گاؤں میں۔''

''ہم ابھی ان کے پاس جائیں گے۔ کیا ایسا ممکن ہے؟''

''کیوں نہیں! میں آپ کے ہمراہ چلوں گا۔''

''کچھ اندھیرا اور بڑھ جائے۔ پھر ہم یہاں سے نکلیں گے۔''

رات کے اندھیرے میں دو گھڑ سوار خیمے سے نکلے اور دریائے جمنا کی مشرقی سمت روانہ ہوگئے۔ ایک ابراہیم خان لودھی تھا اور دوسرا اس کا امیر۔

کتانہ میں اندھیرے اور خوف کا راج تھا۔ دلاور خان نے ابراہیم کو باہر روکا اور خود حضرت شیخ سے اجازت طلب کرنے اندر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ باہر نکلا اور ابراہیم کو اندر لے گیا۔

حضرت شیخ نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا۔ ''اہلِ اقتدار سے ملاقات میرا شیوہ نہیں لیکن اس وقت تم بھی میری

❀ ''تراویح''

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ ماہ رمضان مبارک میں تراویح میں تین قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ آپ کا یہ عمل کبھی قضا نہیں ہوا۔

طرح مصیبت زدہ ہو اور پھر لاکھوں لوگوں کی تقدیر تم سے وابستہ ہے اس لیے کوئی حرج نہیں سمجھتا۔''

''حضرت! اگر آپ مجھے مصیبت زدہ سمجھتے ہیں تو میری مصیبت ٹالنے کے لیے دعا بھی فرمائیے۔''

''اس مرتبہ مجھے خیریت معلوم نہیں ہوتی۔ میں تمہیں پانی پت سے آگے بڑھتا ہوا نہیں دیکھتا۔''

''دعاؤں سے تقدیر بدل جاتی ہے۔ میں چاہتا ہوں آپ میرے لشکر میں میرے ساتھ قیام فرمائیں۔ آپ کی موجودگی سے مجھے حوصلہ بھی ملے گا اور برکت بھی نازل ہوگی۔''

''آفتیں بھی تو نازل ہو سکتی ہیں۔''

''اللہ جو کرے گا اچھا کرے گا۔''

''جب یہ ایمان ہے تو مجھ فقیر کو زحمت کیوں دیتے ہو!''

''میری خواہش ہے کہ آپ میرے ساتھ قیام فرمائیں۔''

حضرت شیخ بجا طور پر انکار کرتے رہے۔ ابراہیم لودھی کا اصرار بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے حضرت شیخ کو لشکر میں رہنے پر رضامند کرلیا۔

آپ اپنے بڑے بیٹے شیخ حمید اور مرید و خادم سید راجا کے ساتھ ابراہیم لودھی کے لشکر میں مقیم ہوگئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں افراد اپنی مرضی اور ضد سے لشکر میں مقیم ہوئے تھے۔ حضرت شیخ انہیں اپنے ساتھ لے جانا نہیں چاہتے تھے اس لیے کہ لشکر میں مقیم ہونے کے بعد آپ نے ان دونوں کو لشکر سے چلے جانے کی صلاح دی تھی۔

''ہمارے پیروں میں حضرت خواجہ قطب الدین اوشی بھی قید میں ڈالے گئے تھے۔ ہم نے بھی اپنے پیروں کی سنت کو اختیار کیا ہے۔ اگر تم جانا چاہو تو جاسکتے ہو۔''

''ہم آپ کو تنہا چھوڑ کر کیسے جاسکتے ہیں۔ ہم بھی وہی پسند کرتے ہیں جو آپ پسند کرتے ہیں۔''

''جیسی تمہاری مرضی۔''

ابھی دونوں لشکروں کے درمیان لڑائی چھڑی نہیں تھی کہ آپ نے شیخ حمید کو اپنے خیمے میں طلب کیا۔ سید راجا بھی ان کے ہمراہ تھے۔

"مجھے اپنے گھوڑے کی رفتار سے یقین ہوگیا ہے کہ سلطان ابراہیم لودھی کو یقیناً شکست ہوگی۔ مناسب یہ ہے کہ ہم یہاں سے روانہ ہوجائیں۔"

آپ نے یہ ارادہ ضرور کیا تھا لیکن اسے عملی جامہ پہنانے سے پہلے ہی سلطان ابراہیم نے بابر سے شکست کھائی اور میدان جنگ میں مارا گیا۔

اس شکست کے بعد بابر کے سپاہیوں نے مال غنیمت کی تلاش میں لوٹ مار کا آغاز کردیا۔ لشکر لوٹا جا رہا تھا کہ بابر کے چند سپاہیوں نے آپ کو صاحبزادے اور خادم سمیت گھیرے میں لے لیا۔ شیخ حمید اور سید راجا کے گلے میں حضرت شیخ کی سیاہ پگڑی ڈال کر انہیں اپنے گھوڑے کے فتراک سے باندھ کر اپنے ساتھ لے چلے اور حضرت شیخ کو حکم دیا کہ وہ پاپیادہ ساتھ چلیں۔

حضرت شیخ راستے بھر اپنے صاحبزادے اور خادم سید راجا کو تسلیاں دیتے ہوئے چلتے رہے۔ انہیں برابر یہ باور کراتے رہے کہ تمہارے گلوں میں جو پگڑی ہے انشا اللہ اس پگڑی کی برکت سے تم اس مصیبت سے نجات پاؤ گے۔

یہی ہوا بھی۔ مغل سپاہی آپ کو پیدل چلاتے ہوئے دہلی تو لے آئے لیکن جب آپ کے بارے میں معلومات مل گئیں تو آپ کو رہا کردیا گیا۔ آپ دہلی سے گنگوہ تشریف لے آئے۔

جنگ کے بعد ہندوستان کا دلخراش منظر نا قابلِ دیا تھا۔ ہر طرف افراتفری مچی ہوئی تھی۔ افغان اپنی جان بچانے کے لیے اِدھر اُدھر مارے مارے پھر رہے تھے۔ مغل ان کے تعاقب میں تھے۔

حضرت شیخ کے ایک مرید خاص جو صاحب کشف وحال بزرگ تھے، افغانوں کے ساتھ بحیثیت سپاہی شریک تھے۔ عام طور پر دتو شیروانی کے نام سے موسوم تھے۔

ابراہیم لودھی کی شکست کے بعد دتو شیروانی سے آپ کا رابطہ منقطع ہوگیا لیکن باطنی ربط اتنا قوی تھا کہ حضرت شیخ کی جانب سے بشارتوں سے سرفراز ہوتے رہتے تھے۔ اب جو افغانوں پر اُفتاد پڑی تو آپ کی ساری توجہ افغان لشکر کی طرف ہوگئی۔ آپ اپنے روحانی تصرف سے افغانوں کو پریشانیوں سے نجات دلانے کی کوششیں کرتے رہے اور اس کا ذریعہ دتو شیروانی بنے ہوئے تھے۔

افغانوں کی ایک جماعت دریا کے کنارے جمع ہوئی جن کا سردار عیسیٰ خان تھا۔ دریا میں کشتیاں کم تھیں اور افغان کشتیوں میں اِدھر اُدھر دوڑتے پھر رہے تھے کہ تعاقب کرتے ہوئے مغل ان کے بالکل قریب آ گئے۔ افغانوں میں سخت اضطراب پھیل گیا۔ رات کے وقت یوں بھی دریا کا پار کرنا مشکل تھا لہٰذا یہی طے ہوا کہ رات گزار کر دن کے وقت دریا عبور کریں گے۔

دتو شیروانی نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ عیسیٰ خان سے کہو تمہارے ریوڑ میں ایک سرخ رنگ کا خصی بکرا ہے۔ اس کے گلے کے نیچے دو رگیں انگلیوں کی طرح لٹکی ہوئی ہیں۔ اس کو ذبح کر کے اس کا ثواب حضور اکرمؐ کو پہنچاؤ اور ختم فاتحہ کر کے دریا کو عبور کرو ورنہ تمہارے لیے دریا عبور کرنا بہت مشکل ہوگا۔

دتو شیروانی جب صبح کو بیدار ہوئے تو آنکھوں میں خواب تازہ تھا۔ سرخ رنگ کا بکرا ابھی تک یاد تھا۔ آپ فوراً عیسیٰ خان کے پاس پہنچے۔ عیسیٰ خان نے یہ خواب سن کر وعدہ کیا کہ وہ اس بکرے کو ضرور قربان کرے گا۔

اس نے وعدہ تو کیا تھا لیکن اس سے پہلے ہی سامان سے بھری ہوئی ایک کشتی روانہ کردی گئی۔ جیسے ہی وہ کنارے پر پہنچی وہاں کچھ اور افغان آ کر جمع ہوگئے اور وہ اس کشتی کا سارا سامان لوٹ کر لے گئے۔ پھر سامان سے بھری ہوئی دوسری کشتی روانہ کی گئی۔ ابھی وہ دریا کے کنارے پہنچنے نہ پائی تھی کہ غرق ہوگئی۔ بڑی مشکل سے اس کا کچھ سامان غرق ہونے سے بچایا گیا۔

اس میں رات ہوگئی۔ دتو شیروانی نے پھر وہی خواب دیکھا۔ حضرت شیخ کہہ رہے تھے۔ "اب بھی خیریت اسی میں ہے کہ وہ بکرا تم قربان کرو۔"

جب وہ بیدار ہوئے تو نماز فجر ادا کر کے ایک مرتبہ پھر عیسیٰ خان کی خدمت میں پہنچ کر اپنا خواب دہرایا اور ان کا وعدہ یاد دلایا۔ اب عیسیٰ خان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"تم جاؤ اور اس خصی بکرے کو ڈھونڈ کر لاؤ کیونکہ تم نے خواب میں اسے دیکھا ہے۔"

دتو شیروانی ریوڑ کی طرف چلے ہی تھے کہ وہ بکرا جس کی طرف خواب میں اشارہ کیا گیا تھا، ریوڑ سے نکل کر خود ان کے پاس چلا آیا۔

انہوں نے حضرت شیخ کی ہدایت کے مطابق اس بکرے کو ذبح کیا اور اس کو پکا کر اس کا ثواب حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی روح کو ایصال کیا گیا۔

اسی دن کہیں سے کچھ کشتیاں بھی آگئیں اور افغانوں کی اس جمعیت نے بہ آسانی دریا پار کرلیا۔ سبحان اللہ بزرگوں کا بھی کیا روحانی تصرف ہوتا ہے۔

ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا بہ آسانی پار ہوگیا تھا لیکن افغان اتنے گھبرائے ہوئے تھے کہ جمع ہوکر بابر سے مقابلے کے لیے تدابیر سوچنے کے بجائے بے ترتیبی سے منتشر ہوگئے۔ جس کا جس طرف منہ اٹھا بھاگ کھڑا ہوا۔ اکثر افغان بہار کی طرف روانہ ہوئے اور امن دیکھ کر وہیں مقیم ہوگئے۔

بابر نے اپنے قدم جمالیے۔ اب اس کا واپس جانے کا ارادہ نہیں تھا۔ اس نے جس سلطنت کی بنیاد رکھی تھی وہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جارہی تھی۔

حضرت شیخ عبدالقدوسؒ کے مرید دتو شیروانی اس جمعیت کے ساتھ تھے جس نے بہار میں قیام کیا تھا۔ یہ جمعیت ایک بکھرا ہوا گروہ تھا۔ ایسا گروہ جس کی منزل کھوگئی ہو۔ مغلوں کی طرف سے دل میں کدورت تھی لیکن مقابلے کی تاب نہ تھی۔ جمع ہونا چاہتے تھے لیکن جمع کرنے والا کوئی نہ تھا۔ وہ دھاگا میسر نہیں تھا جس میں یہ موتی پروئے جاتے۔ پھر ایک روز گھٹن کے اس ماحول میں ایک کھڑکی کھلی۔ سکندر لودھی کا بیٹا سلطان محمود خان مغلوں سے بچتا پھر رہا تھا۔ ٹھوکریں کھاتا ہوا، دربدری کی خاک چھانتا ہوا بہار کی طرف نکل آیا۔ افغانوں کی ایک جمعیت یہاں پہلے ہی سے موجود کسی تازہ جھونکے کی منتظر تھی۔ سلطان محمود خان کو دیکھ کر سب نے زندہ باد کے نعرے بلند کیے۔ کئی روز تک افغانوں کے خیموں میں جشن بپا رہا۔

سلطان محمود خان کیا خبر کس ارادے سے آیا تھا لیکن اس کے مشیروں نے مشورہ دیا کہ ان بکھرے ہوئے افغانوں کو اپنا لشکر بنائے اور اپنے والد کے تخت کو دوبارہ حاصل کرنے کی جستجو کرے۔

وہ ان کی باتوں میں آگیا۔ افغانوں نے بھی اسے بادشاہ تسلیم کرکے بابر سے جنگ کرنے کا ارادہ باندھا۔ وہ اس جمعیت کو لے کر بہار سے روانہ ہوا۔

ابھی یہ لشکر بنارس کے قریب پہنچا تھا کہ بابر کی فوج نظر آگئی۔ دونوں لشکروں کے درمیان دریائے گنگا حائل تھا۔ اب یا تو بابر کی فوج دریا عبور کرکے اس طرف آتی یا افغان اس طرف جاتے۔ یہ سوال ایسا تھا کہ غور وفکر کے بعد ہی حل ہوسکتا تھا۔ مشوروں اور تبصروں میں رات سر پر آگئی۔

گھبرائے ہوئے افغانوں کے خیمے اندھیرے میں چھپ گئے۔ سکوت پہرا دینے لگے۔ دتو شیروانی نے اس رات بھی ایک خواب دیکھا۔ حضرت شیخ عبدالقدوسؒ خواب میں تشریف لائے اور فرمایا۔ ''دتو! غور سے سنو۔ اگرچہ یہ افغان کثیر تعداد میں جمع ہوئے ہیں لیکن یہ ابھی تک اپنی شامتِ اعمال میں گرفتار ہیں۔ بابر کی فتح اور افغانوں کی شکست مقدر ہوچکی ہے۔''

خیموں نے صبح کی روشنی کا منہ دیکھا اور دتو شیروانی بیدار ہوئے تو مرشد کے روحانی تصرف کا خیال آیا۔ خواب میں ہونے والی گفتگو یاد آگئی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد خیمے سے باہر جھانک کر دیکھا۔ دریا کا پانی شیشہ بن کر چمک رہا تھا۔ کنارے کے دوسری طرف مغلوں کا لشکر بدستور نظر آرہا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ انہوں نے ابھی دریا پار نہیں کیا۔ انہوں نے سوچا اور عیسیٰ خان کے خیمے میں پہنچ گئے۔ وہاں کچھ اور افغان بھی جمع تھے اور اتفاق سے موضوع بھی یہی چھڑا ہوا تھا کہ مغلوں سے کیسے نمٹا جائے۔ دتو شیروانی کی بھی رائے طلب کی گئی۔ انہوں نے اپنا خواب بیان کیا۔ تمام لوگوں نے اس خواب کی حقیقت سے اتفاق کیا۔ ان سب کا بھی یہی خیال تھا کہ افغانوں کی شکست یقینی ہے اور پھر یہی ہوا۔ اس دن کی رات آئی تو سلطان محمود خان نے لشکر کو سوتا چھوڑا اور خود بہار واپس چلا گیا۔ افغان سوکر اٹھے تو ان کا بادشاہ غائب تھا۔ اب سب آزاد تھے۔ کچھ لوگ راجا بار سنگھ کے علاقے ہالا پٹھ چلے گئے اور کچھ بہار چلے گئے۔ دتو شیروانی بھی بہار آگئے۔

☆☆☆

حضرت شیخ عبدالقدوس کی بصیرت انہیں بتارہی تھی کہ اب افغانوں کو فتح نصیب نہیں ہوگی۔ وہ مغلوں کے مقابلے میں افغانوں کو ان کی دین داری کے سبب پسند کرتے رہے خصوصاً سکندر لودھی کو لیکن اب انہیں یقین ہوگیا تھا کہ مغلوں کی حکومت عرصہ دراز کے لیے قائم ہوگئی ہے۔ انہوں نے دعوتِ حق کا فریضہ ادا کیا۔ بابر کو خط لکھ کر اس کی ذمے داری اسے یاد دلائی۔

❀ چند نامور خلفاء

حضرت شیخ حمید، شیخ رکن الدین، شیخ احمد، شیخ علی، شیخ جلال تھانیسری، شیخ بھورا، شیخ دتو شیروانی، شیخ خضر، سید احمد ملتانی وغیرہ (آپ کے خلفاء کی تعداد ایک ہزار بتائی جاتی ہے)

''تمہارے لیے مناسب ہے کہ خدا کا شکر ادا کرتے رہو اور سارے عالم پر انصاف کا سایہ اس طرح کرو کہ کوئی کسی پر ظلم نہ کر سکے اور تمام مخلوق اور فوج، اوامر و نواہی اور شریعت پر مستقیم اور پابند ہو اور نماز با جماعت ادا کرو۔ علم اور علما کو دوست رکھو اور ہر شہر کے بازاروں میں محتسب مقرر کرو تا کہ وہ شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے انصاف کے مطابق ان بازاروں کو آراستہ کریں۔ جن شرائط کے ساتھ زمانہ سابق اور خلفائے راشدین کے عہد میں تھا۔''

یہ نہایت پُرآشوب دور تھا۔ طرح طرح کے فتنے سر اٹھا رہے تھے۔ حضرت شیخ نے اس دور میں نہایت ثابت قدمی سے اپنے مریدوں کی تربیت میں وقت خرچ کیا تا کہ وہ راہ راست پر رہیں۔ دنیا پرست علما کے لیے شمشیر برہنہ بن گئے۔ ان کے فتنوں سے دنیا کو آگاہ کیا۔ اہل اقتدار کو خطوط لکھ کر اتباع شریعت کی تلقین کی۔ گویا بابر اگر نئی سلطنت کی تعمیر کر رہا تھا تو حضرت شیخ دلوں کی دنیا سنوارنے میں مشغول تھے۔

☆☆☆

سلطان محمود خان بنارس سے بھاگ کر بہار آ گیا تھا۔ اس نے شکست کھائی تھی، ہتھیار نہیں ڈالے تھے۔ اس کے ساتھ افغانوں کی بہت کم جمعیت رہ گئی تھی لیکن وہ اب بھی بابر سے ٹکر لینے کی تدبیریں سوچ رہا تھا۔

ایک روز ایک سنیاسی اس بستی میں آیا جہاں افغان ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس سنیاسی کا دعویٰ تھا کہ بابر کی مدد بال ناتھ جوگی نے کی تھی۔ اس نے یہ بھی پیشکش کی کہ اگر تم لوگ چاہو تو میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ لڑائی کے وقت مغلوں کے دانت اس طرح کھٹے کردوں گا کہ وہ تمہارے سامنے دم نہ مار سکیں گے۔

دعویٰ دلچسپ بھی تھا اور اثر انگیز بھی۔ لوگوں نے اسی وقت اسے سلطان محمود کے سامنے پیش کر دیا۔ اس نے وہاں بھی یہی دعویٰ دہرایا۔ سلطان محمود بڑے غور سے اس کی باتیں سنتا رہا اور پھر نہایت بیزاری سے اپنا خیمہ چھوڑ کر اٹھ گیا۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ سلطان محمود کو اس کی پیشکش قبول نہیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ سنیاسی بھی افسوس کرتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔

سلطان محمود نے اسے پسند نہیں کیا تھا لیکن بہت سے افغان اس کی دلچسپ باتوں سے متاثر ہوئے تھے اس لیے اس سنیاسی کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔

دتو شیروانی اس کی باتوں سے بہت زیادہ متاثر ہو گئے۔ وہ توحید کے بارے میں اتنے دل نشیں انداز میں گفتگو کرتا تھا کہ دتو شیروانی باقاعدگی سے اس کے پاس جانے لگے۔ کبھی وہ ملاقات کے لیے چلا آتا۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہ میں تھے لیکن اپنے مرید کے حالات سے بے خبر نہیں تھے۔ ایک روز آپ دتو شیروانی کے خواب میں تشریف لائے اور انہیں تنبیہ کی۔ ''دتو! اس سنیاسی کی صحبت سے احتراز کرو۔ یہ زندیق ہے اور اسے حق تعالیٰ کے پاس کوئی تقرب حاصل نہیں۔''

اس سرزنش کے بعد دتو شیروانی نے نہ صرف اس سنیاسی سے ملنا چھوڑ دیا بلکہ بہار چھوڑ کر ہالا پٹھ آ گئے کیونکہ یہاں کے راجا نے چند گاؤں عطا کر دیے تھے جہاں افغان آباد ہو گئے تھے۔

ایک دن وہ سادھو ان کا پیچھا کرتا ہوا ہالا پٹھ آ گیا۔ اتفاق سے دتو شیروانی گھر پر نہیں تھے۔ وہ سادھو پیغام چھوڑ گیا کہ میں صرف تم سے ملاقات کے لیے آیا تھا۔ اب میں پریاگ تیرتھ کے لیے جا رہا ہوں۔ واپسی میں تم سے ملاقات ہوگی۔

اسی رات دتو شیروانی نے پھر خواب دیکھا کہ حضرت شیخ اپنے فرزند شیخ حمید کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں۔ ''دتو! تم اس سے احتراز نہیں کرتے۔'' دتو شیروانی نے عرض کیا۔ ''میں نے اسے چھوڑ دیا ہے، وہ مجھے نہیں چھوڑتا۔''

''اچھا، یہ بات ہے۔'' آپ نے ارشاد فرمایا اور دتو شیروانی نے دیکھا کہ خواب ہی میں وہ سنیاسی بھی آ کر کھڑا ہو گیا۔ حضرت شیخ نے اپنے پاؤں سے جوتا نکال کر شیخ حمید کو دیا اور فرمایا کہ تین جوتے اس سنیاسی کے سر پر لگاؤ۔ شیخ حمید نے حکم کی تعمیل کی۔

''بس تین جوتے کافی ہیں۔'' حضرت شیخ نے فرمایا۔ پھر دتو شیروانی کو تسلی دی۔ ''اب تم مطمئن رہو۔ اس زندیق کی صحبت سے میں تمہیں محفوظ رکھوں گا۔''

اس خواب کی تعبیر بہت جلد ظاہر ہو گئی۔ وہ سنیاسی ہالا پٹھ سے نکل کر یاترا کے لیے جا رہا تھا کہ سنا یہ گیا کہ اپنے ساتھیوں سمیت مغلوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ وہی مغل جن کے لیے اس نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ اپنے تصرف سے مغلوں کے ایسے دانت کھٹے کر دے گا کہ وہ افغانوں کے سامنے دم نہیں مار سکیں گے۔

☆☆☆

پانی پت کی جنگ کے بعد بابر صرف چار پانچ سال زندہ رہ سکا۔ اس نے 937ھ کو وفات پائی تو اس کا بیٹا ہمایوں تخت نشیں ہوا۔

اسے کچھ مشکلات ورثے میں ملی تھیں۔ وہ ایک ایسی سلطنت کا بادشاہ ہوا تھا جس کے مختلف علاقے ایک دوسرے

❀ ''ذکرِ الٰہی''

چشتیہ سلسلے میں ذکر بالجہر کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میرے سال ہا سال اس طریقے سے گزرے ہیں کہ عشا کی نماز کے بعد سے ذکر بالجہر شروع ہوتا تھا اور تمام رات گزر جاتی تھی۔ رفیق اور ساتھی جو میرے ساتھ ذکر میں شریک ہوتے تھے غیر معمولی طور پر سستی اور تکان محسوس کرنے لگتے تھے۔

سے دور تھے اور ان کے نظم و نسق کی نگرانی بہت دشوار تھی۔

دوسری مصیبت جو اسے گھیرے ہوئے تھی وہ اس کے تین بھائی جو اس کی مہربانیوں کے باوجود اسے پریشان کیے ہوئے تھے۔ تیسری مصیبت سلطان محمود خان تھا جو اپنے باپ کی کھوئی ہوئی سلطنت کے لیے اطراف جون پور میں علم بغاوت بلند کیے ہوئے تھا۔ چوتھی مصیبت گجرات کا بادشاہ سلطان بہادر شاہ تھا جو آگرہ اور دہلی پر قبضہ کرنے کے لیے فکر مند تھا۔

بہادر شاہ والی گجرات روز بہ روز طاقت پکڑتا جا رہا تھا۔ اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے افغان اس کے لشکر میں شامل ہونے لگے تھے۔ افغانوں پر ہی منحصر نہیں، مغلوں کے خلاف جتنی طاقتیں تھیں وہ بہادر شاہ کے پرچم تلے جمع ہوگئی تھیں۔ ہمایوں تک یہ خبریں پہنچ رہی تھیں لیکن وہ ابھی اپنے بھائیوں اور سلطان محمود کی سرکوبی میں الجھا ہوا تھا۔ اس کی یہ الجھن مزید الجھ گئی جب رات کے اندھیرے میں ایک قاصد شہر پناہ کے باہر آکر رکا اور سلطان ہمایوں سے ملنے کی استدعا کی۔ پہرے دار اس وقت دروازہ کھولنے سے گریز کر رہے تھے لیکن جب انہیں یہ یقین ہوگیا کہ آنے والا قاصد ہے اور دور دراز کا سفر طے کر کے یہاں تک پہنچا ہوا ہے تو انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ چند سپاہی اس قاصد کو لے کر ہمایوں کے پاس پہنچ گئے۔ رات بہت گزر گئی تھی لیکن قاصد کے بہ قول معاملہ اتنا اہم تھا کہ اسی وقت طلب کر لیا گیا۔

قاصد نے اسے بتایا۔ ''بہادر شاہ کی وجہ سے ہم قلعے میں محصور ہیں اور ہمارے لیے اس وقت سخت مصیبت کا سامنا ہے۔ اگر اس وقت آپ ہمیں بہادر شاہ سے نجات دلائیں تو اس سفر میں جو آپ کو زحمتیں ہوں گی، ہم اس کے لیے آپ کو ہر منزل کے عوض ایک لاکھ ٹنکا دیں گے۔''

قاصد کی زبانی ہمایوں کو یہ بھی معلوم ہوا کہ ابھی بہادر شاہ قلعے کا محاصرہ کیے ہوئے ہے۔ قلعے کو فتح کرنے کی منزل دور ہے۔ اس نے قاصد کو اس یقین دہانی کے ساتھ رخصت کر دیا کہ وہ بہادر شاہ کا سر کچلنے کے لیے جلد ہی روانہ ہو جائے گا۔

ہمایوں نے ضروری تیاری مکمل کی اور قلعہ آگرہ سے لشکر لے کر روانہ ہوا۔ ابھی وہ سارنگ تک بھی پہنچنے نہ پایا تھا کہ بہادر شاہ نے قلعہ چتوڑ فتح کر لیا۔ یہ ایک عظیم فتح تھی۔ عرصہ طویل سے یہ کافروں کے قبضے میں تھا اور کسی نے بھی اسے فتح کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

سلطان ہمایوں پر یہ خبر بجلی بن کر گری لیکن وہ برابر آگے بڑھتا رہا۔ اب قلعہ چتوڑ نہیں، بہادر شاہ اس کی منزل تھا۔

بہادر شاہ نے ہمایوں کی آمد کی خبر سنی تو اپنی ایک فوج چتوڑ پر متعین کر کے خود قلعہ مدسور کو اپنی جائے پناہ بنا کر ہمایوں کا انتظار کرنے لگا۔

ہمایوں اس کا تعاقب کرتا ہوا قلعہ مدسور کے سامنے خیمہ زن ہوگیا۔

بہادر شاہ اتنی جلدی میں تھا کہ اس نے قلعے کو جائے پناہ تو بنا لیا لیکن اپنی فوجوں کے لیے غلے کا ذخیرہ نہ کر سکا۔ ہمایوں نے اس کی اس غلطی سے فائدہ اٹھایا اور غلے کو روک دیا۔ چند ہی روز میں بہادر شاہ کی فوج بھوک سے بلبلا اٹھی۔ لشکر اس قدر پریشان ہوا کہ بدنظمی پھیلنے لگی۔ کوئی آدمی وہاں ٹھہرنے کو تیار نہیں تھا۔

حضرت شیخ عبدالقدوسؒ کے مرید دتو شیروانی اس وقت بہادر شاہ کے لشکر کے ساتھ تھے۔ انہوں نے اس عالم پریشانی میں خواب دیکھا۔ خواب کیا دیکھا، مرشد نے حجاب اٹھا دیے۔ دیکھا کہ ہمایوں کا خیمہ اس قدر بلند ہے کہ قلعہ مندو اور گجرات کو اپنے احاطے میں لیے ہوئے ہے۔ اس کی طنابیں

دریا میں نصب ہیں۔ حضرت شیخ فرما رہے ہیں۔ ہمایوں کو فتح اور بہادر شاہ کو شکست نصیب ہوگی۔

ابھی یہ خواب دیکھ کر اٹھے بھی نہیں تھے کہ شور بلند ہوا۔ اٹھ کر دیکھا تو بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ معلوم ہوا بہادر شاہ اور اس کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی ہے۔ یہ بھی گھبرا کر باہر نکلے۔ چند گجراتی سواران کے ساتھ تھے۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ اس اندھیرے میں راستہ بھٹک گئے۔ پھر یہی طے ہوا کہ یہ جو بھی مقام ہے، یہیں ٹھہرا جائے اور دن نکلنے کا انتظار کیا جائے۔

دتو شیروانی حیران و متفکر دوزانو بیٹھ گئے۔ اسی عالم میں غنودگی طاری ہوگئی۔ اسی عالم میں حضرت شیخ عبدالقدوسؒ کی آواز سنائی دی۔ ''دتو! اٹھو، ہم تمہاری حفاظت کے لیے آئے ہیں۔''

آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی۔ لشکر چلنے کے لیے تیار تھا۔ کل لشکر نے پھر چلنا شروع کیا۔ دن گزرا اور رات آگئی۔ دوسرا دن ہوا۔ یہاں خبر ملی کہ رات کو دہقانی شب خون ماریں گے۔ خوامخواہ کی خونریزی سے کسی کو دلچسپی نہیں تھی لہٰذا پڑاؤ اٹھایا اور سفر کرتے ہوئے برہان پور پہنچ گئے۔ حضرت شیخ نے حفاظت کا وعدہ کیا تھا۔ لشکر کے بہت سے لوگ اس سفر میں دہقانیوں کے ہاتھوں مارے گئے لیکن دتو شیروانی اور ان کے گجراتی ساتھی سوار محفوظ رہے۔

یہ قافلہ برہان پور پہنچا۔ پھر انہیں معلوم ہوا کہ افغانوں کی جمعیت مغلوں کی لوٹ مار سے محفوظ رہنے کے لیے دکن کے ایک قصبے جل گاؤں میں جمع ہو رہی ہے۔ اس قصبے کا حکمران سید عمر نامی تھا۔

دتو شیروانی کے ساتھیوں نے بھی آپس میں مشورہ کیا اور جل گاؤں پہنچ گئے۔ ابراہیم لودھی کے ایک صاحبزادے جو بن لودھی کہلاتے تھے، اس قافلے کے ساتھ تھے اور چونکہ وہ ابراہیم لودھی کے بیٹے تھے اس لیے جل گاؤں کے حکمران سید عمر نے ان کی خوب آؤ بھگت کی۔ بن لودھی، دتو شیروانی پر بہت مہربان تھے اور ہر وقت انہیں ساتھ رکھتے تھے اس لیے سید عمر سے ان کی بھی دوستی ہوگئی۔

ایک روز ایک عجیب واقعہ ہوا۔ دتو شیروانی، سید عمر سے ملاقات کے لیے گئے۔ باتوں باتوں میں عصر کا وقت ہوگیا۔ دتو شیروانی اٹھنے لگے تو اس نے ہاتھ پکڑ کر بٹھالیا۔

''ایسے دوست کہاں ملتے ہیں۔ کچھ دیر اور بیٹھو۔''

''پھر اندھیرا ہو جائے گا۔ میاں بن بھی میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ مجھے چلنا چاہیے۔''

''وہ تو ہر وقت ہی تمہاری صحبت کا لطف اٹھاتے ہیں۔ رہا اندھیرے کا سوال تو کون کم بخت کہتا ہے تم اندھیرے میں جاؤ۔ آج رات یہیں قیام کرو۔ دن کے اجالے میں چلے جانا۔''

سید عمر نے اتنے خلوص سے استدعا کی کہ دتو شیروانی قیام کرنے پر رضامند ہوگئے۔ رات آئی تو سید عمر نے ان کے لیے شب خوابی کا لباس بھیجا۔ آرام دہ بستر لگوایا۔

نماز فجر کے بعد سید عمر نے انہیں طلب کیا اور اصل مطلب بیان کیا۔ ''بین لودھی پر بدلو بقال کے ایک لاکھ ٹنکے قرض آتے ہیں۔ یہ رقم تم اسے واپس دلا دو۔''

''اس رقم سے میرا کیا تعلق؟'' دتو شیروانی نے جواب دیا۔ ''جس کے پیسے وہ خود مانگے۔''

''تمہارا اثر رسوخ بہت ہے۔ مجھے یقین ہے تم یہ رقم دلا سکتے ہو۔''

''میں ان سے کہہ کر دیکھوں گا لیکن وعدہ نہیں کرتا کہ رقم دلا دوں گا۔'' دتو شیروانی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ایسے نہیں۔'' سید عمر نے کہا۔ ''جب تک یہ قرض ادا نہیں ہو جاتا، تم اپنے آپ کو ہماری قید میں تصور کرو۔''

''مجھے قید کرنے سے تمہیں کیا ملے گا؟''

''وہ تمہیں رہا کرانے کے لیے رقم لوٹانے پر رضامند ہو جائیں گے۔''

''اس طرح تمہیں ایک پائی بھی نہیں مل سکے گی۔''

''یہ بات کی بعد ہے۔ فی الحال تم یہاں سے نہیں جا سکتے۔'' سید عمر نے آنکھیں پھیرلیں۔

دتو شیروانی سوچنے لگے کہ رقم تو بدلو بقال کی ہے، سید عمر کو اتنی دلچسپی کیوں ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ بدلو بقال نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر آپ رقم دلا دیں گے تو آدھی رقم آپ کو دوں گا۔

میاں بین لودھی اور دوسرے افغانوں کو جب اس زبردستی کی اطلاع ملی تو انہوں نے دتو کی رہائی کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ سید عمر کو مزید یقین ہوگیا کہ دتو شیروانی اہم آدمی ہے۔ وہ کہیں بھاگ نہ جائے لہٰذا کڑی نگرانی کی جانے لگی۔ چند سوار اور پیادے مقرر کر دیے جو ان کی حفاظت کر رہے تھے۔

تین مہینے کا طویل عرصہ گزر گیا۔ ایک روز وہ انتہائی پریشانی اور مایوسی کے عالم میں بیٹھے تھے کہ جھپکی آگئی۔ نیم غنودگی کے عالم میں دیکھا کہ عبدالقدوس گنگوہی تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں۔ ''پریشان مت ہو۔ اٹھو اور اپنی

جائے قیام کی طرف جاؤ۔" انہوں نے عرض کیا "میں کیسے جاسکتا ہوں؟ میں تو قید میں ہوں۔ دروازے پر پہرے دار ہیں۔"

"آج کی رات تم یہاں نہیں رہ سکتے۔ تمہیں اپنی جائے قیام کی طرف جانا ہوگا۔ پہرے داروں کی پروا مت کرو۔"

دتو شیروانی بیدار ہوئے تو سوچنے لگے کہ حضرت شیخ کا حکم برحق لیکن ظاہری صورت کوئی نظر نہیں آتی۔ میں یہاں سے نکلوں گا کیسے۔ کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ سوچتے سوچتے عصر کا وقت ہوگیا۔ نماز ادا کی۔ نماز میں بھی یہی خیال دامن گیر رہا۔ نماز ادا کرنے کے بعد انہوں نے پہرے دار کو آواز دی۔ وہ دوڑا چلا آیا۔

"کیا بات ہے؟"

"مجھے قضائے حاجت کے لیے جانا ہے۔ تم میرے ساتھ چلو۔ کہیں میں بھاگ نہ جاؤں۔"

"روز ہی جاتے ہو۔ کوئی آج نئے جا رہے ہو۔ بھاگ سکتے تو کب کے بھاگ جاتے۔" اس نے کہا اور دو آدمی ساتھ کردیے۔ دتو شیروانی ان دو آدمیوں کو ساتھ لے کر چلتے ہوئے خاصی دور نکل گئے۔ دونوں پہرے داروں نے کہا بھی تو انہوں نے یہ کہہ کر بات بنادی کہ اس بہانے چہل قدمی ہوجائے گی۔ بیٹھے بیٹھے اکتا چکا ہوں۔

ایک مقام پر جاکر دتو شیروانی نے ایک پہرے دار سے کہا۔ "تم یہیں ٹھہرو۔ ایک میرے ساتھ چلے۔" وہ شاید چلتے چلتے اکتا گیا تھا، راضی ہوگیا۔

قصبے سے باہر آکر دتو شیروانی اس راستے پر چلنے لگے جو افغانوں کی قیام گاہ کی طرف جاتا تھا۔ اجالے میں اندھیرا شامل ہونے لگا تھا لہٰذا بات بنتی نظر آرہی تھی۔

اتنی دور چلنے سے پہرے دار کو شک ہوجانا چاہیے تھا لیکن شاید یہ بھی حضرت شیخ کا تصرف تھا کہ وہ باتوں میں لگا آگے ہی آگے چلتا جارہا تھا۔

"یہ تم کہاں جارہے ہو۔ واپس ہوتے وقت تو اور اندھیرا بڑھ جائے گا۔" پہرے دار نے ایک جگہ پہنچ کر کہا۔

"بس منزل قریب آگئی۔"

دتو شیروانی اسے اپنی جائے قیام کے اتنے قریب لے جانا چاہتے تھے کہ افغانوں کی نظر ان پر پڑ جائے۔ یہی ہوا بھی۔ وہ جگہ نظر آنے لگی جہاں افغان ٹھہرے ہوئے تھے۔ افغان جنگل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ مغلوں کا ڈر بھی ہر جگہ تھا لہٰذا چوکس رہتے تھے۔ اندھیرا ہوتے ہی رات کے پہرے دار گشت کرنے لگتے تھے۔ اس وقت بھی کوئی افغان گشت پر تھا کہ اس کی نظر پڑ گئی۔ اس نے چور چور کی آوازیں بلند کرنی شروع کردیں۔ بہت سے افغان اس آواز پر لپکے۔ یہ صورت حال دیکھ کر پہرے دار تو بھاگ گیا، دتو شیروانی آزاد ہوگئے۔ انہیں دیکھ کر سب لوگ جمع ہوگئے اور پوچھنے لگے کہ تم نے اس مصیبت سے کیسے نجات حاصل کی۔ انہوں نے تمام واقعہ بیان کیا۔ حضرت شیخ عبدالقدوسؒ قدم قدم پر ان کی مدد فرمارہے تھے۔

وہ رات آنکھوں اور باتوں میں کٹی۔ دتو شیروانی بھاگ کر آگئے تھے لیکن اب یہ طے تھا کہ قصبے کا حاکم سید عمران کی تلاش میں ضرور نکلے گا لہٰذا یہاں سے کوچ کرنے ہی میں عافیت تھی۔ افغانوں کی اس جمعیت نے جل گاؤں چھوڑ دیا اور برہان پور کی طرف چل دیے۔

☆☆☆

حضرت شیخ عبدالقدوسؒ گنگوہ میں تھے لیکن ان کا روحانی تصرف پورے ہندوستان میں افغانوں کی مدد و رہنمائی کررہا تھا۔ حضرت شیخ کو لودھیوں سے ہمدردی اور مغلوں سے یک گونہ مخالفت تھی۔ لودھیوں سے حضرت شیخ کا یہ تعلق خاطر محض ان کی اسلام دوستی، اتباع شریعت اور تقویٰ کی بنا پر تھا۔ افغانوں کی حکومت میں ایک طویل عرصے تک رہنے کی وجہ سے آپ کو ان کے متعلق ان کی نیکی اور دین داری کا تجربہ تھا لیکن مغل چونکہ ہندوستان کے لیے بالکل نئے تھے اور یہ ثابت نہیں تھا کہ وہ ہندوستان کے لیے کیسے ثابت ہوں گے اس لیے آپ مغلوں کی مخالفت کررہے تھے۔ آپ کے مریدوں کی ایک بڑی تعداد افغانوں کے ساتھ مل کر مغلوں کے خلاف جدوجہد میں شریک تھی اور آپ ان کی مدد فرمارہے تھے اور جب ہمایوں نے گجرات کے بادشاہ بہادر شاہ کے خلاف چڑھائی کی جس نے چتوڑ فتح کرکے اسلام کو راجپوتانہ میں سربلند کیا تھا تو حضرت شیخ کا غصہ عروج پر پہنچ گیا۔

ہمایوں نے چتوڑ کے قاصدوں کی آواز پر لبیک کہہ کر فاتح چتوڑ بہادر شاہ کا تعاقب کیا اور اسے شکست کھا کر بھاگنے پر مجبور کردیا۔ اپنے بھائی عسکری کو گجرات کا حاکم بنا کر واپس لوٹ گیا لیکن اس کے واپس ہوتے ہی گجراتیوں نے بغاوت کرکے سارے علاقے چھین لیے۔ بہادر شاہ دوبارہ گجرات کا سلطان بن گیا۔

ہمایوں پر یہ خبر بجلی بن کر گری۔ اس نے ایک عظیم الشان لشکر ترتیب دیا اور احمد آباد پہنچ کر خیمہ زن ہوگیا۔ سلطان بہادر شاہ اس وقت مقام دیو میں تھا۔

افغان ہر اس طاقت کے پیچھے تھے جو مغلوں کی دشمن

تھی۔ معلوم ہوا کہ ہمایوں، بہادر شاہ کی سرکوبی کو جاتا ہے تو برہان پور میں موجود جمعیت نے بہادر شاہ کی مدد کا عہد کیا۔ بہلول لودھی کا بیٹا علاؤ الدین لودھی برہان پور پہنچا اور افغانوں کی جمعیت کو منظم کر کے بہادر شاہ کی مدد کے لیے روانہ ہوا۔ حضرت شیخ عبدالقدوسؒ کے مرید خاص دتو شیروانی اس معرکے میں علاؤ الدین لودھی کے ساتھ تھے۔

جب یہ لشکر مقام نندر بار پہنچا اور تھکن اتارنے کے لیے پڑاؤ کیا تو دتو شیروانی نے رات کو خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ تشریف لائے اور فرما رہے ہیں۔

''دتو! گجرات پہنچ کر پیران گجرات کو ہمارا پیغام پہنچا دو۔ ہمارا سلام ان سے کہو اور ہمارا پیغام دو کہ ہمایوں اسلام کی تخریب میں مصروف ہے اور بغیر کفر و اسلام کی تمیز کے سب کو تباہ و برباد کر رہا ہے۔ اگر تم راضی ہو تو ہم گجرات آئیں اور ہم تم متفق ہو کر ہمایوں کو گجرات سے نکال دیں۔ اگر تم کو یہ منظور ہو کہ ہم ''مندو'' جائیں اور وہاں سے ان کو نکال دیں اور تم گجرات سے اس کو باہر کرو تو ہم اس پر بھی تیار ہیں تاکہ اسلام کو امن و قرار حاصل ہو۔''

''گجرات یہاں سے بہت دور ہے۔ میں وہاں کیسے پہنچ سکتا ہوں اور پھر میری واپسی کیسے ہوگی۔'' دتو شیروانی نے خواب ہی میں کہا۔

''اس کی فکر مت کرو۔ تم آسانی سے وہاں پہنچ کر لوٹ آؤ گے۔'' آپ نے فرمایا اور دتو شیروانی نے دیکھا کہ وہ احمد آباد میں ہیں اور ایک بزرگ عالم شاہ منجھن بخاری کی قیام گاہ پر حاضر ہیں۔ قیام گاہ پر گجرات کے مشائخ اس کثرت سے جمع ہیں کہ کہیں تل دھرنے کی جگہ نہیں۔ وہ پریشان ہیں کہ اس بھیڑ میں حضرت شیخ کا پیغام کس کو پہنچاؤں اور کس طرح؟ اچانک ایک آدمی ان کے پاس آیا اور بھیڑ میں راستہ بناتا ہوا حضرت عالم شاہ منجھن کے روبرو لے گیا۔ دتو شیروانی نے انہیں ادب سے سلام کیا۔

''حضرت شیخ عبدالقدوس نے جو پیغام تمہیں دے کر بھیجا ہے بیان کرو۔'' آپ نے فرمایا اور دتو شیروانی نے حضرت شیخ کا پیغام لفظ بہ لفظ بیان کر دیا۔

''دتو! تم بہت دور سے آئے ہو۔ پہلے کھانا کھاؤ، پھر ہم تمہیں جواب دیں گے۔''

ایک آدمی ایک پلیٹ میں چاول لے کر آ گیا۔ دتو شیروانی نے ابھی دو چار لقمے ہی کھائے ہوں گے کہ ایک اور بزرگ آگے بڑھے۔ ''تم ہمارے مہمان ہو۔ ہمارے یہاں چلو اور کھانا کھاؤ۔ پھر ہم تمہیں حضرت شیخ عبدالقدوس کے پیغام کا جواب دے کر رخصت کریں گے۔''

''بہتر ہے تم ان کے ساتھ چلے جاؤ۔'' حضرت عالم شاہ منجھن نے فرمایا۔ ''ہمارا اور تمام مشائخ گجرات کا سلام حضرت شیخ عبدالقدوس کو پہنچاؤ۔ حضرت شیخ کے پیغام کا جو جواب تمہیں ملے وہ تمام پیران گجرات کی طرف سے ہوگا اور ہم اس پر ہر طرح سے تیار ہیں۔''

دتو شیروانی نے آپ کو رخصتی کا سلام کیا اور اپنے نئے میزبان کے ساتھ چل دیے جن کا نام حضرت شیخ احمد کھٹو تھا۔

وہ ان بزرگ کے گھر آئے۔ وہاں بھی بہت سے مشائخ جمع تھے۔ آپ نے ایک خادم سے فرمایا۔ ''ان کے لیے کھانا لاؤ۔'' خادم ایک پلیٹ میں چاول لے کر آیا جس میں خوب گھی پڑا ہوا تھا۔ دتو شیروانی نے سیر ہو کر کھایا۔

جب وہ کھانا کھا چکے تو ان بزرگ نے فرمایا۔ ''حضرت شیخ عبدالقدوس کو ہمارا اور تمام پیران گجرات کا سلام پہنچا کر کہو کہ آپ پہلے یہاں تشریف لائیں پھر آپ اور ہم یکجا ہو کر ہمایوں کو گجرات اور مندو سے نکال دیں گے تاکہ اسلام کو تقویت حاصل ہو اور اس ملک میں امن قائم ہو۔'' اس کے بعد آپ نے دتو شیروانی کو رخصت کیا۔

ان بزرگ کے گھر سے نکلتے ہی دتو شیروانی نے دیکھا کہ وہ شیخ عبدالقدوس کے سامنے ہیں اور وہ اس طرح بے چینی سے ٹہل رہے ہیں جیسے جواب کا شدت سے انتظار ہو۔

''پیران گجرات کا پیغام ہے کہ آپ گجرات تشریف لائیں۔''

''اچھا، تو پہلے ہم گجرات جائیں گے۔'' یہ فرما کر آپ نظروں سے غائب ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی خواب بھی ٹوٹ گیا اور نیند بھی۔

نندر بار کے آسمان پر چاند پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ دتو شیروانی کے چاروں طرف خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ وہ کچھ دیر لیٹے رہے پھر گھبرا کر اٹھ بیٹھے۔ وہ نورانی چہرے ابھی تک آنکھوں میں تھے۔ لذیذ کھانے کی لذت ابھی تک کام و دہن کو آباد کیے ہوئے تھی۔ صبح ہونے کے انتظار میں اس مبارک خواب کو وہ بار بار اپنے ذہن میں دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

اس صبح کا عالم ہی دوسرا تھا۔ نماز میں بھی ایسی لذت ملی جو اس سے پہلے کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ جن بزرگوں کی قربت حاصل ہوئی تھی اس کی برکت ابھی تک تھی۔

دتو شیروانی نے اس خواب کا تذکرہ اپنے ساتھیوں سے کیا۔ پھر سلطان علاؤ الدین سے بیان کیا۔ سب کو یقین ہو گیا

کہ اب ہمایوں گجرات میں ٹک نہیں سکتا۔
اس خواب پر سب کو اتنا یقین تھا کہ نہایت اطمینان سے نندر بار میں ٹھہرے رہے۔ آخر پندرہ روز بعد اس خواب کی تعبیر مل گئی۔ خبر آئی کہ سلطان بہادر دیو ین سے کوچ کر کے پہلے حضرت شیخ احمد کھٹو کی درگاہ پر حاضر ہوا۔ اس کے بعد اس نے ہمایوں سے جنگ شروع کی۔ اس جنگ میں ہمایوں نے شکست کھائی۔ بہت سے مغل مارے گئے اور ہمایوں نہایت افراتفری کے عالم میں آگرے کی طرف بھاگ گیا۔
افغانیوں میں خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ سلطان علاؤالدین نے اعلان کیا کہ وہ سلطان بہادر شاہ کو مبارک باد دینے کے لیے جائیں گے۔ یہ جمعیت روانہ ہوئی۔ ابھی یہ لوگ قلعہ جاتپانیر پہنچے تھے کہ معلوم ہوا سلطان بہادر کھنبایت پہنچ چکا ہے۔ سلطان علاؤالدین نے کچھ لوگوں کے ذریعے چار ہاتھی اور سات سو اشرفیاں بطور مبارک بادی سلطان بہادر کے پاس بھجوائیں۔ اس وفد میں دتو شیروانی بھی شامل تھے۔ یہ وفد کھنبایت پہنچا تھا کہ اطلاع ملی کہ فرنگی چند جہاز اسلحے سے بھر کر پٹن دیو پر قبضہ کرنے کے لیے آرہے تھے۔ یہ اطلاع سن کر بہادر شاہ پٹن دیو کی طرف چلا گیا ہے۔
یہ وفد حیران تھا کہ اب کیا کیا جائے کہ سلطان علاؤ الدین بھی کھنبایت پہنچ گیا۔ اس نے دتو شیروانی کو اپنے تمام عہدیداروں کا سردار مقرر کر کے اپنے پرگنے دھولقا کی طرف بھیج دیا۔
''تم دھولقا میں قیام کرو اور میں جو تم کو لکھوں اس کی تعمیل کرو۔''
دتو شیروانی کھنبایت سے دھولقا آ گئے۔ ابھی چند ہی روز گزرے تھے کہ شیخ عبدالقدوسؒ نے رہنمائی فرمائی۔ ایک رات آپ نے خواب دیکھا۔ حضرت شیخ ارشاد فرما رہے ہیں۔ ''دتو! جس قدر جلد ممکن ہو گجرات سے نکل جاؤ۔ یہاں بڑی تباہی آنے والی ہے ورنہ تمہیں سخت مشکلات کا سامنا ہوگا۔''
''میں تنہا ہوں۔ راہیں پُرخطر ہیں۔ میں راستوں سے ناواقف۔''
''تم فکر مت کرو۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔''
اس خواب کی صداقت پر انہیں شک نہیں تھا لیکن سوال یہ تھا کہ یہاں سے کیسے جائیں۔ جانے کی اجازت کون دے گا۔ اس کے باوجود انہوں نے عہدیداروں سے کہا کہ وہ جانا چاہتے ہیں۔ عہدیداروں نے وہی جواب دیا جس کی توقع کی جاسکتی تھی۔
''سلطان یہاں موجود نہیں ہیں۔ روانگی کی اجازت تو وہی دے سکتے ہیں۔''
دتو نے سلطان کو خط لکھ کر روانگی کی اجازت چاہی۔ اس خط کے جواب میں سلطان نے دو آدمی بھیج دیے۔ ان میں سے ایک تو دتو کا دوست تھا جس نے رازداری کے ساتھ بتایا کہ سلطان نے عہدیداروں کو لکھ دیا ہے کہ تمہیں گھر میں نظر بند کر دیا جائے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ عنقریب تمہارے پیروں میں بیڑیاں ڈال دی جائیں گی۔
اجازت کے بجائے پیروں میں بیڑیاں ڈال دی جائیں گی۔ یہ سن کر دتو شیروانی کے حواس جاتے رہے۔ پھر بھی یہ یقین تھا کہ حضرت شیخ کی امداد شامل حال رہے گی۔ کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔ یہ صورت بہت جلد نکل آئی۔
ابھی نظر بندی کی تیاریاں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک تاجر اپنے اونٹ فروخت کرنے ٹھٹھہ سے دھولقا آیا۔ دتو شیروانی اس کے اونٹوں میں دلچسپی لینے کے بہانے اس کے قریب پہنچ گئے۔
''تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟''
''میں ٹھٹھہ سے آیا ہوں۔''
''کیا تم یہاں کے راستوں سے واقف ہو؟''
''خوب اچھی طرح۔ میں یہاں کئی مرتبہ آچکا ہوں۔''
''کب جاؤ گے؟''
''بس یہ دو اونٹ رہ گئے ہیں۔ انہیں بیچ کر واپس چلا جاؤں گا مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟''
دتو شیروانی نے اسے تمام واقعہ سنا کر کہا۔ ''کیا تم مجھے یہاں سے نکال لے جاسکتے ہو؟''
''تمہاری کہانی بہت دکھ بھری ہے۔ میں تمہیں یہاں سے لے جاسکتا ہوں لیکن یہ میرے دو اونٹ؟''
''انہیں بھی ساتھ لے چلو۔ میں ان کی قیمت تمہیں ادا کر دوں گا۔''
''تو پھر ٹھیک ہے۔ آج رات کے پچھلے پہر میں تمہیں لینے کے لیے آؤں گا۔ تم تیار رہنا۔''
اس کی ہدایت کے مطابق دتو شیروانی نے تیاری کر لی۔ وہ شخص رات کے پچھلے پہر آیا اور دتو شیروانی اس کے ساتھ نکل گئے۔ رات اس قدر اندھیری تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ یہ راستے بھی بالکل نئے تھے۔ یہ معلوم ہوتا تھا جیسے اس سے پہلے کوئی گزرا ہی نہیں۔
''میں تمہیں غیر معروف راستوں سے اس لیے لے جا رہا ہوں کہ معروف راستوں پر ڈاکو گھومتے رہتے ہیں۔''
اس تسلی کے بعد دتو شیروانی کچھ مطمئن ہو گئے اور سواری

کو آگے بڑھاتے رہے۔ صبح کے آثار نمودار ہوئے تو کچھ جان میں جان آئی۔ یہ یقین بھی ہوگیا کہ اب وہ دھولقا سے بہت دور نکل آئے ہیں۔ دن چڑھے وہ ایک قصبے میں پہنچے۔

''یہاں سے قلعہ جانپیر قریب ہے۔ اب میں تنہا جا سکتا ہوں۔ تمہارا بہت شکریہ کہ تم نے مجھے یہاں تک پہنچا دیا۔''

''یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ میں تمہیں قلعہ مندو یا برہان پور تک پہنچا کر واپس ہوں گا۔''

دتو شیروانی نے بہت چاہا کہ وہ واپس چلا جائے لیکن وہ شخص نہ مانا اور بالآخر یہ دونوں قلعہ جانپیر پہنچ گئے۔ یہاں دتو شیروانی کو ان کے بچھڑے ہوئے تقریباً ڈھائی ہزار رفیق مل گئے۔ یہاں سے دتو شیروانی اپنے رفیقوں کے ہمراہ قلعہ مندو پہنچ گئے۔

انہیں قلعہ مندو میں پہنچے پندرہ ہی روز ہوئے تھے کہ خبر آئی سلطان بہادر، ہمایوں سے شکست کھا کر فرنگیوں کے جزیرے کی طرف گیا لیکن ان سے فریب و دغابازی کے آثار محسوس کر کے واپس لوٹا اور انہوں نے دریا ہی میں اسے قتل کر دیا۔

☆☆☆

حضرت شیخ عبدالقدوسؒ نے لوگوں سے ملنا چھوڑ دیا تھا۔ عالم محویت طاری تھا۔ بے خودی تھی کہ ہوش میں آنے نہیں دیتی تھی۔ مشتاقان کلام کو تشویش ہوئی۔ خلفا آتے تھے اور پاس بیٹھ کر اٹھ جاتے تھے۔ جب کئی شب و روز یہی معمول رہا تو آپ کے صاحبزادوں نے دریافت کرنا ضروری سمجھا۔

''ہمیں آپ کے سکوت اور انقطاع خلق کی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ اگر آپ اس کی وجہ بیان فرمائیں تو ہمیں بھی ایک لطف و بصیرت حاصل ہوگی۔''

''بابا! میں نے اپنے دل کو ذکر حق میں بے حد مصروف رکھا ہے۔ اب میرا وجود ذکر کا دریا ہو چکا ہے۔ جس وقت دریائے فنا موجیں مارتا ہے اور غرق کر دیتا ہے اس وقت عالم شہادت کو میرے سامنے سے ہٹا کر مجھے دوسرے عالم میں لے جاتے ہیں اور میں مشاہدۂ حق کرتا ہوں جو مجھے اس عالم میں آنے نہیں دیتا۔''

اس محویت و استغراق کے باوجود آپ اتباع شریعت سے غافل نہیں تھے۔ نماز کا وقت ہوتا تو آپ کو اطلاع کر دی جاتی۔ آپ ہوش میں آجاتے۔ وضو کے ارکان کا خیال رکھتے، نماز کی درستی میں ذرہ برابر فرق نہ آتا۔ پائے مبارک میں لغزش رہتی لیکن کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے۔

آپ صائم الدہر تو تھے۔ کسی نے نہیں دیکھا کہ آپ نے کبھی دن میں کھانا کھایا ہو لیکن وفات سے ایک سال پہلے ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ نے 45 روز تک مطلق کھانا نہیں کھایا۔ کھانے کی خوشبو تک آپ کے پاس نہ پہنچ سکی لیکن ترک طعام کے باوجود عبادات میں کوئی فرق نہ آیا۔

کبھی کبھی آپ عالم محویت میں فرماتے۔ ''ہم بہشت میں گئے تھے۔ ہم نے وہاں کچھ چیزیں کھائیں۔''

عالم بے خودی کے اس موسم کو تین برس بیت گئے۔ کمزوری اور ضعف بصارت نے قدم جما لیے تھے۔ خطوط کے جواب دینے میں کئی کئی دن لگ جاتے۔ ایک خط میں انہوں نے خود لکھا۔

''اور تم نے جو لکھا ہے کہ پہلے عریضے کا جواب نہیں ملا تو واضح ہو کہ اس فقیر کو لکھنے میں معذور سمجھو کہ کمزور اور ضعیف ہو چکا ہے۔ کیا لکھے اور آنکھیں بھی کمزور ہو چکی ہیں۔ اس کے باوجود اگر کوئی کاغذ دوات لے کر آتا ہے۔ یہ فقیر بولتا ہے اور وہ لکھتا جاتا ہے۔ یہ ایک قسم کا تکلف ہے۔''

15 جمادی الآخر 944ھ/1537ء کو حضرت شیخ کو جاڑے کے ساتھ بخار آیا۔ محویت بدستور طاری تھی لیکن اس کے باوجود عبادات و معمولات میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا تھا۔ رات کو کئی کئی مرتبہ تجدید وضو کرتے اور نماز ادا کرتے۔

چار روز تک بخار رہا۔ پانچویں روز جمعہ تھا۔ دن میں کچھ دیر سوئے۔ بخار کچھ ہلکا ہو گیا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا آپ صحت کی طرف گامزن ہیں۔ یہاں تک کہ نماز جمعہ ادا فرمائی۔

نماز جمعہ کے بعد پھر آپ کو بخار شروع ہوا۔ چار روز تک پھر بخار آتا رہا۔ آخر 23 جمادی الآخر 1537ء کو چاشت کے وقت آپ نے وضو کے لیے اشارہ کیا۔ صاحبزادگان اور خدام حاضر تھے۔ آپ کو وضو کرا دیا گیا۔ اٹھنے کی ہمت نہیں تھی۔ لیٹے لیٹے دوگانہ کی نیت باندھ لی۔ رکن و سجدہ اشارے سے کیا اور اسی بے خودی کے عالم میں جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ غسل کے بعد جب آپ کو کفن پہنایا گیا، میں خود حاضر تھا۔ میں نے حضرت قطب عالم کے سینے پر ہاتھ رکھا۔ اس وقت بھی میں نے حرکت قلب اور ذکر الٰہی کو جاری پایا۔

آپ کا مزار مبارک قصبہ گنگوہ ضلع سہارن پور (یو پی) محلہ سرائے میں آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ اسی کی مناسبت سے آپ عبدالقدوس گنگوہی کہلاتے ہیں۔

تلخیص

شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات

مصنف: اعجاز الحق قدوسی